Spot CMYK#Waheed

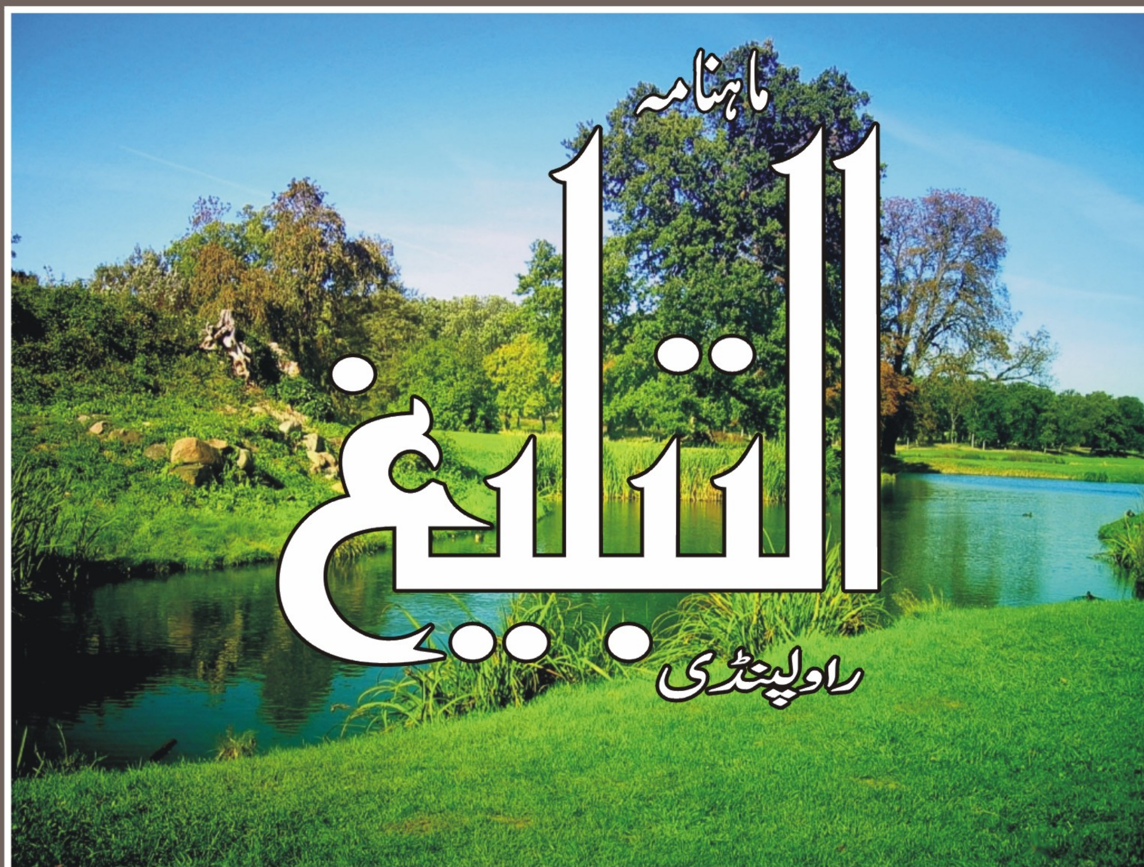

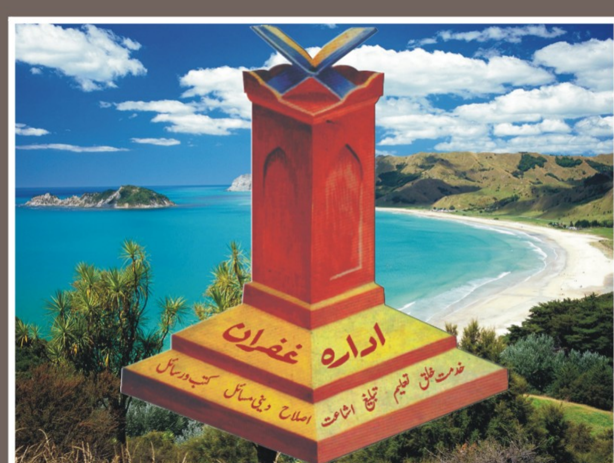

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد یونس   مفتی محمد امجد   حکیم محمد فیضان   غفار الحق

فی شمارہ.................25 روپے

سالانہ.................300 روپے

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

قانونی مشیر

الحاج غلام علی فاروق

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270   فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....سائلنس آپریشن کے بعد........................مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۳۴، آیت نمبر۴۵).......... صبر اور نماز سے مدد............// // ۵

درسِ حدیث ....جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی.......................// // ۹

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

ماہِ رجب: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں........................مولوی طارق محمود ۱۵

معاشرہ جھوٹ اور مبالغے کی لپیٹ میں..مفتی محمد رضوان ۲۴

برصغیر کی اسلامی تاریخ اور آزادی کی تحریکیں.......................................مفتی محمد امجد حسین ۳۶

پاکی ناپاکی کے مسائل..// // ۴۷

معیشت اور تقسیمِ دولت کا فطری اسلامی نظام (قسط۹)...............................// // ۴۹

اولاد کی تربیت کے آداب (قسط۴)...مفتی محمد رضوان ۵۲

مکتوباتِ مسیح الامّت (بنام محمد رضوان) (قسط۱۵).....................ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان ۵۴

علماء کا ہاتھ سے تغییرِ منکر کرنا...// // ۵۶

علم کے مینار............انگریز کے تسلط کے بعد برصغیر کا علمی زوال.......مولانا محمد امجد حسین ۶۴

تذکرۂ اولیاء:..... تذکار اہلِ بیتِ نبی ﷺ (امت کی ماؤں کا تعارفی خاکہ)......امتیاز احمد ۶۹

پیارے بچو! .... لالچ کا انجام اور شکر کا انعام........................حکیم محمد فیضان ۷۴

بزمِ خواتین .... زیب وزینت کی شرعی حیثیت اور حدود (قسط۳).......مفتی ابوشعیب ۷۷

آپ کے دینی مسائل کا حل...... جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی شرعی حیثیت..........ادارہ ۸۳

کیا آپ جانتے ہیں؟.............. سوالات وجوابات............ترتیب: مفتی محمد یونس ۸۸

عبرت کدہ .... حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۱۲)...............مولوی طارق محمود ۹۰

طب وصحت............ ناشپاتی (PEARS)........................حکیم محمد فیضان ۹۵

اخبارِ ادارہ .... ادارہ کے شب وروز...........................مولانا محمد امجد حسین ۹۷

اخبارِ عالم .... قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں.......................ابرار حسین ستی ۹۸

Partnership On a Fixed Profit..// // ۱۰۰

Idara Ghufran

اداریہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مفتی محمد رضوان

سائلنس آپریشن کے بعد

حکومت کی طرف سے اسلام آباد لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں آٹھ دن تک سائلنس آپریشن جاری رہنے کے بعد ختم ہونے کو تقریباً ایک ماہ ہونے والا ہے، لیکن جس طرح آپریشن سے پہلے دینی مدارس اور علماء ذرائع ابلاغ پر موضوعِ بحث بنے ہوئے تھے، اسی طرح آپریشن ہونے کے بعد بھی نہ صرف ملک بھر میں بلکہ پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ پر تاحال دینی مدارس وعلماء زیرِ بحث ہیں اور جس کی زبان وقلم پر جو کچھ آ رہا ہے وہ کہنے اور لکھنے سے گریز نہیں کر رہا۔

آجکل تو ہمارے یہاں جو سانحہ یا واقعہ بھی وجود پذیر ہوتا ہے، اس پر تبصرے وتجزیے کرنے میں ہر ایک ہی اپنے آپ کو مجتہد اور عقلِ کُل خیال کرتا ہے۔

افسوس اس چیز کا ہے کہ یہ پاکستان کی تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ اتنے جارحانہ، کھلے اور اجتماعی انداز میں دینی مدارس، مساجد اور طلبہ وعلماء کو موضوعِ بحث بنا کر ہر شخص اس بہتے دریا میں ہاتھ دھونے کی کوشش کر رہا ہے۔

اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑا روحانی نقصان ہے، جس کے نتائج کا مسلمانوں کو ابھی تک پوری طرح احساس نہیں۔

اگر لال مسجد وجامعہ حفصہ کے واقعہ کو ایک واقعہ کے طور پر لیا جاتا اور اس واقعہ کے منفی ومثبت پہلوؤں میں دیگر مدارس وعلماء کو شامل نہ کیا جاتا، تو معاملہ اتنا آگے نہ بڑھتا، لیکن اس واقعہ کو بنیاد بنا کر تمام دینی مدارس اور علماء وطلبہ کو تنقید کا ہدف، ٹارگٹ اور موضوعِ بحث بنایا جا رہا ہے جو کہ درست نہیں۔

مساجد، دینی مدارس وجامعات اور علماء وطلبہ کا احترام اور اس کی عظمت ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

لہٰذا مدارس وجامعات اور مساجد، وعلماء کی شان میں زبان درازی کا سلسلہ بند ہونا ضروری ہے۔

لال مسجد وجامعہ حفصہ انتظامیہ کے طرزِ عمل کو اگر کوئی درست نہیں مانتا، مگر ان کے موقف ومطالبات سے اتفاق رکھتا ہے تو یہ کوئی بُری بات نہیں، اس کی بار بار وضاحت خود وفاق المدارس کی اعلیٰ قیادت کی طرف سے بھی کی جا چکی ہے اور اب تک کی جا رہی ہے۔

لیکن کسی عالم یا عامی شخص کی ایک غلطی کو پکڑ کر اس کے دوسرے درست اعمال پر حملہ آور ہونا، اور اس کی

دیگر عظیم خدمات کو نظر انداز کر دینا بھی بہت بڑا ظلم ہے۔

دوسری طرف حکومت نے لال مسجد و جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کے طرزِ عمل پر جو جارحانہ ردِ عمل اختیار کیا اور نہتے معصوم بچوں اور خواتین پر ظلم و ستم کی جو سیاہ تاریخ رقم کی، اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔

ایک مسلمان ملک کے حکمرانوں کا علماء، دینی طلبہ وطالبات اور مدرسہ و مسجد کے خلاف طاقت کا اس طرح اندھا دھند استعمال اور اس سلسلہ میں اسلامی ملک کی ان افواج کا استعمال جو کافروں سے جہاد اور ملکی دفاع کرنے کے لئے مقرر ہیں، ایک سنگین غلطی ہے، جو ملک کے لئے سخت تباہ کن اثرات کی حامل ہے۔

ان سب چیزوں کے علاوہ ایک فضا جو اس وقت ملک میں قائم کر دی گئی ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی حملے، بم دھماکے وغیرہ کا حادثہ رونما ہو، اس کو لال مسجد سے جوڑ دیا جائے، یا دیگر دینی مدارس و علماء سے اس کو وابستہ کر دیا جائے یہ بھی سخت قابلِ تشویش صورتحال ہے۔

کیونکہ اس قسم کا ماحول بن جانے اور فضا قائم ہو جانے کے بعد درپردہ اس ماحول اور فضاء کی آڑ و اوٹ میں کئی عناصر اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے اور ذاتی جھگڑے نمٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

جیسا کہ ماضی میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ذاتی جھگڑے نمٹانے کیلئے بے شمار لوگوں کو موت کی بھینٹ چڑھایا گیا، ملک دشمن عناصر نے درپردہ خوب دہشت گردی کر کے خون کی ہولی کھیلی اور ہماری قیادت ایک خاص ذہن بن جانے اور خاص فضا قائم ہو جانے کے باعث ایسے ہر موقعے پر کسی بے گناہ مخصوص جماعت یا طبقے کے افراد کو اس کا ہدَف بناتی اور ملزم ٹھہراتی رہی۔

اس صورتِ حال پر اہلِ علم سمیت سب مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۳۴،آیت نمبر۴۵)　مفتی محمد رضوان

صبراورنماز سے مدد

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

ترجمہ: ’’اور مدد حاصل کروصبر سے اور نماز سے‘‘

تفسیروتشریح

اس سے پہلے اُن یہودی علماء کوخطاب کیا گیا تھا، جوحق بات کو چھپاتے اور حق و باطل کو گڈ مڈ کرتے تھے، اوراپنی جاہ ومنزلت یامال کی خاطر اسلام کوحق سمجھنے کے باوجوداُس سے اعراض کرتے تھے۔

اس کے بعداب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کاحکم فرمایا۔

کیونکہ صبر کے ذریعہ انسان لذات اور شہوات پر قابو پاسکتا ہے، پھرلذات اور شہوات عموماً دوطرح کی ہوتی ہیں، ایک مال کی محبت اور دوسری جاہ اور منصب کی محبت؛ انہیں دونوں چیزوں کی محبت کی وجہ سے انسان حق بات چھپانے اورحق سے اعراض کرنے کا مرتکب ہوتا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز کاحکم دے کر مال وجاہ کے فتنے اوراس سے پیدا ہونے والے جرم سے بچنے کا علاج وطریقہ عنایت فرمایا۔

کہ اگرتم مال وجاہ کی محبت کے مہلک مرض میں مبتلا ہوگئے ہوتواس کا علاج کرو، جس کے لیے پرہیز کی بھی ضرورت ہوگی، اور دوااستعمال کرنے کی بھی۔

اور علاج کانسخہ صبر ونماز ہے؛ لہٰذا صبر ونماز سے مدد طلب کرو، یعنی نفس کوصبر وقناعت کے اختیار کرنے اور لذات وشہوات کوچھوڑنے اورنماز قائم کرنے کا عادی بناؤ، تاکہ دنیا کی مضر(مال وجاہ) کی محبت دل سے نکل جائے، اورحق و باطل میں تمیز پیدا ہو۔

جسمانی بیماریوں کوزائل وختم کرنا اُسی وقت ہی ممکن ہے جبکہ نقصان دہ چیزوں سے پورپورا پرہیز ہواور پھر دوا کا استعمال ہو۔اسی طرح روحانی وباطنی بیماریوں کو زائل وختم کرنے کے لئے صبر کاعمل پرہیز کے درجے میں ہےاورنماز کاعمل دوا کے درجے میں ہے۔

اورنماز حمد وثناء، تسبیح وتقدیس، رکوع وسجود پرمشتمل ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کاشکر ہے۔

اورصبرآدھاایمان ہے،اورآدھاایمان شکرہے؛جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

''اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ فَنِصْفٌ فِی الصَّبْرِ وَنِصْفٌ فِی الشُّکْرِ'' (الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث نمبر ۳۱۰۶،عن البیھقی فی شعب الایمان) [1]

ترجمہ: ''ایمان کے دوحصے ہیں؛آدھاحصہ تو صبر ہےاورآدھاحصہ شکر ہے''

یعنی ایمان کی صحت اورسلامتی دو چیزوں پر موقوف ہے ایک صبر پر (یعنی نقصان دہ چیزوں سے) پرہیز کرنے اور دوسرے شکر کے استعمال پر، جب تک مکمل پرہیز نہ ہواس وقت تک دواپورانفع نہیں کرتی،اس لئے سب سے پہلے پرہیز یعنی صبر کاحکم دیااور پھر دوا کے استعمال یعنی نماز کاحکم دیا۔

اوراگرتم عزت اوروجاہت کے طالب ہوتو عزت اوروجاہت کو دنیا میں کہاں ڈھنڈتے ہو،عزت کی اگرتلاش ہےتواس عزیز مقتدر کے پاس تلاش کروجس کی شان یہ ہے:

وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۲۶)

نماز کی خاصیت یہ ہے کہ وہ بےحیائی اورمنکر سے بچاتی ہے،اللہ تعالیٰ کی محبت اورعظمت اوردنیا کی نفرت اورآخرت کی رغبت کو دل میں راسخ ومضبوط کرتی ہے،مخلوق سے بے جاتعلق کوختم کرتی ہے،اورخالق سے تعلق کومستحکم اورمضبوط کرتی ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''حضورﷺ کو جب کوئی کام پیش آتاتھا توفوراً گھبراکر نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے''(مسند احمد،ابوداؤد)

اورحضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ارشادفرمایا کہ:

''حضرات انبیاءکوجب پریشانی پیش آتی تو نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے''(مسند احمد،سنن نسائی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک دفعہ سفرمیں تھے کہ بیٹے کی وفات کی خبردی گئی توسواری سے اترےاوردورکعت نماز پڑھی اور''اناللہ وانا الیہ راجعون''پڑھااوریہ فرمایا کہ ہم نے ویسے ہی کیا جیسا اللہ

---

[1] وجہ التنصیف ان الایمان اسم لمجموع القول والعمل والنیة وھی ترجع الیٰ شرطین فعل وترک، فالفعل العمل بالطاعة وھی حقیقة الشکر والترک الصبر عن المعصیة والدین کله فی ھذین فعل المأمور وترک المحظور وان الایمان مبنی علیٰ رکنین یقین وصبر فبالیقین یعلم حقیقة الامر والنھی والثواب والعقاب وبالصبر ینفذ ما أمر به ویکف نفسه عما نھی عنه ولا یحصل له التصدیق بذالک الابالیقین ولا یمکن الدوام علی فعل المأمور وکف النفس عن المحظور الابالصبر فصار الصبر نصفا والشکر نصفا (فیض القدیر، جزء ۳، تحت حدیث نمبر ۳۱۰۶)

نے ہم کو حکم دیا، اور یہ آیت تلاوت فرمائی ''وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ'' (حاکم)
ضرورت و پریشانی کے وقت جو نفل نماز پڑھی جائے وہ صلوٰۃ الحاجہ کہلاتی ہے، اس آیت میں فرض نماز کے ساتھ ساتھ صلوٰۃ الحاجۃ کی طرف بھی اشارہ ہے (معارف القرآن کاندھلوی، بتغیر)

دو نفسیاتی بیماریاں (حبِّ مال وحبِّ جاہ اور ان کا علاج)

حبِّ مال (یعنی مال کی محبت) اور حبِّ جاہ (یعنی منصب وعہدہ کی محبت) یہ دونوں دل کی ایسی بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی اجاڑ اور ویران ہو جاتی ہے۔
غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ میں اب تک جتنی بھی انسانیت سوز لڑائیاں اور جنگیں لڑی گئی ہیں اور جتنے فساد بھی برپا ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر کو انہی دو بیماریوں نے جنم دیا تھا۔
حبِّ مال (مال کی محبت) کے جو مہلک وتباہ کن نتائج نکلتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱)...... کنجوسی اور بخل پیدا ہوتا ہے: جس کا ایک قومی وملّی نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ اس کی دولت قوم کو کوئی معتد بہ فائدہ نہیں پہنچاتی، اور دوسرا نقصان خود اس مال کی محبت کرنے والے کی اپنی ذات کو پہنچتا ہے کہ معاشرہ میں کوئی بھی ایسے شخص کو اچھی نگاہ اور عزت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

(۲)...... خودغرضی پیدا ہوتی ہے: جو پھر مال کی حرص وہوس پوری کرنے کے لئے چیزوں میں ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، رشوت خوری، دھوکہ، فریب، دغابازی اور مکاری کے نت نئے حیلے سمجھاتی ہے، یہ شخص زیادہ سے زیادہ اپنی جیب اور تجوری بھرنے کے لئے دوسروں کا خون نچوڑ لینا چاہتا ہے اور اس سے پھر نتیجتاً سرمایہ دار اور مزدوروں کے جھگڑے جنم لیتے ہیں۔

(۳)...... بے چینی و بے سکونی پیدا ہوتی ہے: ایسے شخص کو کتنا ہی مال و دولت حاصل ہو جائے لیکن اس پر ہر وقت مزید سے مزید مال کمانے اور جمع کرنے کی دُھن سوار ہوتی ہے کہ راحت وآرام اور تفریح کے وقت بھی اسے یہی بے چینی اندر ہی اندر گھُن کی طرح کھائے جاتی ہے۔ اپنے سرمایہ میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کی طلب وجستجو اس کو کسی کروٹ سکون نہیں لینے دیتی، اور بالآخر جو مال اس کی راحت وآرام کا ذریعہ بننے کا سبب تھا وہی اس کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے۔

(۴)...... حق بات سے اعراض پیدا ہوتا ہے: ایسے شخص کے سامنے حق بات خواہ کتنی ہی روشن اور واضح ہو کر آئے، مگر وہ ایسی کسی بات کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ اور تیار نہیں ہوتا جو اس کے

مال کی حرص وہوس کے مقابلہ میں آڑے آئے۔اور یہ تمام چیزیں بالآخر پورے معاشرہ کے چین وامن اورسکون کے برباد کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔اوراگرغور کیا جائے تو قریب قریب یہی حال حبِّ جاہ (یعنی منصب،عہدہ اور وجاہت کی محبت) کا نظر آئے گا، کہ اس کے نتیجہ میں تکبّر،خودغرضی، دوسروں کے حقوق کی پامالی یعنی حق تلفی،اقتدار کی ہوس کے لئے خون ریزلڑائیاں اوراس طرح کی دوسری بے شمارانسانیت سوزخرابیاں جنم لیتی ہیں، جو بالآخر دنیا کو دوزخ بنا کر چھوڑتی ہیں۔

اِن دونوں بیماریوں کا علاج

قرآن مجید میں ان دونوں نفسیاتی بیماریوں کا جوعلاج تجویز فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

"اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" یعنی "مدد حاصل کرو، صبراور نماز سے"

مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کی لذتوں اورشہوتوں پر قابو حاصل کرو،اسی کا نام صبر ہے،اس کے نتیجہ میں مال کی حرص وطمع اورمحبت گھٹ جائے گی، کیونکہ مال کی محبت کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مال نفس کی لذتوں اور شہوتوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوا کرتا ہے ،لہٰذا جب تم ہمت کر کے نفس کی ان لذتوں اورشہوتوں کی اندھا دُھند پیروی کرنا چھوڑ دو گے،تو شروع شروع میں اگرچہ نفس پر یہ بات بہت گراں اور بارگزرے گی ،لیکن آہستہ آہستہ حالت اعتدال پر آجائے گی اور پھر یہ اعتدال تمہاری عادت بن جائے گی ،تو پھر مال کی زیادتی اورفراوانی کی حرص وہوس نہ رہے گی اور مال کی محبت ایسا غلبہ اورتسلط حاصل نہیں کر سکے گی جو انسان کو نفع ونقصان سے اندھا کردے۔اورنماز کے ذریعہ سے جاہ کی محبت کم ہوجائے گی کیونکہ نماز میں ظاہری اور باطنی ہرطرح کی عاجزی اورپستی کا سامان موجود ہے، جب نماز کو صحیح صحیح طرح خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کی عادت ہوجائے گی تو دل میں ہروقت اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اورپستی کا تصورقائم رہے گا، بلکہ عاجزی، انکساری اورتواضع وپستی دل میں گھر کرلے گی اورجگہ بنالے گی، جس کے نتیجہ میں تکبر وغروراور جاہ وجلال کی محبت گھٹ جائے گی۔

آج دنیا کوان دونفسیاتی بیماریوں نے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے اور پوری انسانیت ان دونوں بیماریوں کی آگ میں بری طرح جُھلس رہی ہے،لوٹ مار اورقتل وغارت گری کا بازار گرم ہے، اگرانسانیت کو انسانیت سوز تباہیوں اور بربادیوں سے بچنا ہے تو اس کا واحد حل وہی ہے جو قرآن مجید نے تجویز کردیا ہے یعنی "صبر وصلوٰۃ" (ماخذہ معارف القرآن عثمانی، بتغیر)

درسِ حدیث مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

جمعہ کے روز ایک ساعت اور گھڑی ایسی ہے جس میں بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جانے والی ہر جائز درخواست ودعا منظور ہوتی ہے۔

(۱)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَکَرَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَقَالَ فِیْہِ سَاعَۃٌ لَا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَھُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ یَسْأَلُ اللّٰہَ تَعَالٰی شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ وَاَشَارَ بِیَدِہٖ یُقَلِّلُھَا (بخاری، کتاب الجمعۃ، مسلم، کتاب الجمعۃ واللفظ لھما، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں ایک ساعت (اور گھڑی) ایسی ہے کہ جو مسلمان بندہ بھی اس کو اس حال میں پالے کہ وہ اس وقت کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو، اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز عطا فرما دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ یہ گھڑی تھوڑی ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

فائدہ: حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ وہ اس وقت نماز پڑھ رہا ہو، اس جملے کا کیا مطلب ہے؟

محدثین وعلماء نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یا تو حقیقت میں نماز پڑھ رہا ہو یا پھر دعا کر رہا ہو اور اگلی نماز کا انتظار کر رہا ہو، کیونکہ نماز کا انتظار کرنے والا بھی نماز میں شامل سمجھا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یُصَلِّیْ اَوِ الْمُرَادُ بِہٖ یَدْعُوْ وَیَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ فَاِنَّمَا اَوَّلْنَا ھٰذِہِ التَّاوِیْلَاتِ لِیَتَوَافَقَ جَمِیْعُ الرِّوَایَاتِ (المرقاۃ جلد۳ صفحہ ۲۳۳، باب الجمعۃ، الفصل الاول)

ترجمہ: ''نماز پڑھ رہا ہو یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا کر رہا ہو اور نماز کا انتظار کر رہا ہو اور ہم نے یہ تاویلات اس لئے کی ہیں تاکہ تمام روایات میں موافقت ہو جائے (کیونکہ بعض روایات میں دعا کرنے کا ذکر ہے اور بعض میں نماز کا انتظار کرنے کا)'' (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ سَلاَمٍ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلاَةَ فَهُوَ فِيْ صَلاَةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ فهُوَ ذَالِكَ (أبو داؤد،ترمذی، مسند احمد،مستدرک حاکم و زاد المعاد)

ترجمہ: ’’حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو بیٹھ کر نماز کا انتظار کررہا ہو تو وہ نماز میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوجائے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک (یہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے) تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عصر کے بعد قبولیت کی گھڑی میں نماز پڑھنے والے سے مراد بھی نماز کا انتظار کرنے والا ہی ہے‘‘ (ترجمہ ختم)

اور محدث امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِقَائِمٌ يُّصَلِّيْ مَنْ يَّنْتَظِرُ الصَّلاَةَ فَاِنَّهٗ فِيْ صَلاَةٍ (الاذکار للنووية ،کتاب الاذکار فی صلوات مخصوصة)

ترجمہ: ’’اور حدیث کے جملے قَائِمٌ يُّصَلِّيْ سے مراد یہ ہے کہ جو نماز کا انتظار کررہا ہو، اس لیے کہ وہ نماز میں ہوتا ہے‘‘ (ترجمہ ختم)

(۲)......امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں جمعہ کے دن استغفار کے استحباب کے باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فِى الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَايُوَافِقُهَاعَبْدٌيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِلَّا غُفِرَلَهٗ (الجامع الصغير ۵۹۱۴ بحواله ابن السنی عن ابی هريرة تصحيح السيوطى صحيح، كنزالعمال ج۷، حديث نمبر ۲۱۳۰۵)

ترجمہ: ’’جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جو بھی بندہ اس کو اس حال میں پالیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کررہا ہوتا ہے، تو اس کی مغفرت کردی جاتی ہے‘‘ (ترجمہ ختم)

(۳)......اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

’’اِنَّ فِى الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً مَادَعَا اللّٰهَ فِيْهَاعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ بِشَيْئٍ اِلَّا اِسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ ‘‘ (مسند احمد، ج ۲ مسند ابی هريرة)

ترجمہ: ’’بلاشبہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں کوئی مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کو ضرور قبول فرماتے ہیں‘‘ (ترجمہ ختم)

Idara Ghufran

(۴)......اور مسلم شریف کی ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

اِنَّ فِی الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لاَ یُوَافِقُهَامُسْلِمٌ یَسْأَلُ اللّٰهَ فِیْهِ خَیْرًا اِلاَّاَعْطَاهُ اِیَّاهُ قَالَ وَهِیَ سَاعَةٌ خَفِیْفَةٌ (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فی الساعة التی فی یوم الجمعة)

ترجمہ:''بے شک جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جسے اگر کوئی مومن بندہ پالے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ بھلائی ضرور عطافرما دیتے ہیں، اور وہ تھوڑا وقت ہوتا ہے'' (ترجمہ ختم)

فائدہ: اس حدیث میں خیر اور بھلائی کی قید لگی ہوئی ہے، جس سے قطع رحمی اور دوسرے گناہ کی دعا خارج ہوگئی، البتہ کسی جائز اور مباح چیز کی دعا کی جائے تو وہ اس میں شامل ہے۔ [۱]

بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ: '' دعا کی قبولیت کی جتنی گھڑیاں منقول ہیں، ان سب میں جمعہ کے دن کی مقبول گھڑی میں دعا کے قبول ہونے کی امید بہت زیادہ ہوتی ہے''

یعنی جمعہ کے دن کی یہ ساعت بقیہ تمام دعا قبول ہونے والے اوقات سے زیادہ فضیلت واہمیت کی حامل ہے

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کب آتی ہے؟

مگر وہ ساعت کون سی ہے اور وہ جمعہ کے دن کس وقت آتی ہے؟ احادیث میں واضح اور قطعی انداز میں اس کو متعین کر کے بیان اور ظاہر نہیں فرمایا گیا، بلکہ اسے کچھ پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

جس میں ایک حکمت یہ ہے کہ لوگ اس ساعت کی امید میں پورے دن عبادت میں مشغول رہیں اور جب وہ ساعت آئے تو ان کی عبادت ودعا اس خاص ساعت میں بھی واقع ہو، جیسا کہ شبِ قدر کا معاملہ ہے [۲]

لہٰذا اس حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جمعہ کے تمام اوقات میں ہی دعا، استغفار اور عبادت میں مشغولی رکھی جائے اور یہی وجہ ہے کہ جس طرح شبِ قدر کی تعیین کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں اسی طرح جمعہ

---

[۱] وقید بالخیر لیخرج مثل الدعاء بالاثم وقطعیة الرحم ونحو ذالک (عمدة القاری جلد۲۳، باب الدعاء فی الساعة التی فی یوم الجمعة)

قال ابن حجر الظاهر ان المراد به مایشمل المباح وفیه ان المباح لایوصف بخیر ولابشر غایتهٔ انه اذاکان تعالیٰ یعطی الخیر فلایمنع المباح (المرقاة شرح المشکوٰة ج۳ص ۲۳۳، باب الجمعة، الفصل الاول)

[۲] ملاعلی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والحکمة فی اخفائها لیشتغل الناس بالعبادة فی جمیع اجزاء نهارها رجاء ان یوافق دعائهم وعبادتهم ایاها (المرقاة شرح المشکوٰة ج۳ص ۲۳۳، باب الجمعة، الفصل الاول)

Idara Ghufran

کی قبولیت والی گھڑی کی تعیین کے بارے میں بھی مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، جن کی تعداد لگ بھگ چالیس، پچاس کے قریب ہے۔ ۱؎ اوراسی وجہ سے محدث امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ویستحب الاکثار من الدعاء فی جمیع یوم الجمعة ،من طلوع الفجر الیٰ غروب الشمس رجاء مصادفة ساعة الاجابة ،فقد اختلف فیھا علی اقوال کثیرة فقیل ھی بعد طلوع الفجر وقبل طلوع الشمس وقیل بعد طلوع الشمس وقیل بعد الزوال وقیل بعدالعصر ،وقیل غیرذالک

(الاذکارللنووية، کتاب مایقوله اذادخل فی الصلوٰة ،باب مایقال فی صبیحة الجمعة)

ترجمہ: ’’اور جمعہ کے پورے دن صبح صادق سے لے کرسورج غروب ہونے تک دعا کی کثرت کرنا مستحب ہے، قبولیت کی گھڑی کو حاصل کرنے کی خاطر؛ اوراس گھڑی کے بارے میں اختلاف ہےاور بہت زیادہ اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ صبح صادق کے بعد سے لے کرسورج طلوع ہونے سے پہلے تک ہے، اورایک قول یہ ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد ہے، اورایک قول یہ ہے کہ زوال کے بعد ہے، اورایک قول یہ ہے کہ عصر کے بعد ہےاوراس

۱؎ چنانچہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ ساعت ہر جمعہ کو بدلتی رہتی ہے۔ کسی جمعہ کو تو دن کے ابتدائی حصہ میں آتی ہےاورکسی جمعہ کو درمیانی حصہ میں اوراسی طرح کسی جمعہ کو دن کے آخری حصہ میں آتی ہے۔ اکثر علماء کا کہنا یہ ہےاورراجح بھی یہی ہے کہ وہ ساعت متعین اورمعلوم ہے لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ ساعت متعین اورمعلوم ہے تو کونسی ساعت ہے اور وہ کونسا وقت ہے جس میں یہ عظیم ومقدس ساعت پوشیدہ ہے؟

اس بارے میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یا تو وہ وقت صبح صادق ہونے سے لے کرسورج طلوع ہونے تک ہوتا ہے، یا جس وقت فجر کی اذان ہوتی ہے، یا سورج نکلنے کے وقت، یا پھر دو پہر کو ٹھیک زوال کے وقت، یا زوال سے لے کر جمعہ کی نماز پڑھنے یا عصر کے وقت تک، یا سورج غروب ہونے تک کا وقت، یا ٹھیک جمعہ کی اذان کا وقت، یا اس کے بھی بعد جمعہ کا خطبہ شروع ہونے یا ختم ہونے، یا جمعہ کی نماز ختم ہونے تک کا وقت، یا امام کے خطبہ شروع کرنے کا وقت، یا دونوں خطبوں کے درمیان کا وقت، یا خطبہ ختم ہونے سے نماز شروع ہونے کے درمیان کا مختصر وقت، یا عصر کا وقت شروع ہونے سے لے کرسورج غروب ہونے یا مکروہ وقت ہوجانے تک کا وقت، یا عصر کی نماز پڑھنے کے دوران، یا پھر سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے کا وقت، یا پھر امام کے خطبہ شروع کرنے سے لے کر جمعہ کی نماز ختم ہونے تک اور عصر سے مغرب تک دونوں اوقات کا مجموعہ۔ غرضیکہ جمعہ کی صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک کے درمیان کے اوقات ہی کے اندر اندر اختلاف ہےاوران سب قولوں میں دوقول زیادہ راجح ہیں، جن کا آگے ذکر آتا ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ’’فتح الباری‘‘ جلد۲، کتاب الجمعة ،باب الساعة التی فی یوم الجمعة)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ابنِ منیر کے حاشیہ سے نقل فرماتے ہیں:

اذاعلم ان فائدة الابهام لهذه الساعة ولیلة القدر بعث الداعی علی الاکثار من الصلاة والدعاء ولو بین لاتکل الناس علی ذالک وترکوا ماعداها فالعجب بعد ذالک ممن یجتهد فی طلب تحدیدها(فتح الباری ج۲ ص ۵۳۶ ،کتاب الجمعة،باب الساعة التی فی یوم الجمعة)

کے علاوہ بھی اقوال پائے جاتے ہیں‘‘ (ترجمہ ختم)

نیز فرماتے ہیں:

قلت اختلف العلماء من السلف والخلف فی هذه الساعة علی اقوال کثیرة منتشرة غایة الانتشار وقد جمعت الاقوال المذکورة فیها کلها فی شرح المهذب وبینت قائلها وان کثیرا من الصحابة علی انها بعد العصر والمراد بقائم یصلی من ینتظر الصلاة فانهٔ فی صلاة (الاذکار للنوویة ،کتاب الاذکار فی صلوات مخصوصة)

ترجمہ: ’’میں کہتا ہوں علمائے سلف وخلف کا جمعہ کی اس قبولیت کی ساعت کے بارے میں اختلاف ہے، اوراس میں بہت سے اقوال ہیں، جو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہیں، اور میں نے اس بارے میں پائے جانے والے تمام اقوال کوشرح المہذ ب میں جمع کیا ہے، اوران اقوال کے قائلین کی بھی وضاحت کی ہے، اور بہت سے صحابہ اس بات پر ہیں کہ وہ گھڑی عصر کے بعد ہے، اورحدیث کے جملے **قائم یصلی** سے مراد یہ ہے کہ نماز کا انتظار کررہا ہو، اس لیے کہ وہ نماز میں ہوتا ہے‘‘ (ترجمہ ختم)

مگران اقوال میں دوقولوں کوزیادہ ترجیح دی گئی ہے:

(۱)......ایک یہ کہ وہ مبارک گھڑی امام کے جمعہ کی نماز کا خطبہ شروع کرنے کے وقت سے لے کر جمعہ کی نماز ختم ہونے تک ہے (مگر خطبے کے دوران حاضرین کے لئے زبان کوحرکت دے کردعا کرنا منع ہے)

یہ قول حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے:

(۲)......دوسرے یہ کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن عصراور مغرب کے درمیان ہوتی ہے۔

یہ قول حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ وتابعین سے ثابت ہے۔

بعض حضرات نے ان میں سے پہلے قول کوترجیح دی ہے اور بعض حضرات نے دوسرے قول کوترجیح دی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں اوقات کوقبولیت کی گھڑی سمجھتے ہوئے ضائع ہونے سے بچایا جائے (جس میں دونوں راجح قولوں کی رعایت ہوجاتی ہے)

بہشتی زیور میں ہے:

علماء مختلف ہیں کہ یہ ساعت جس کا ذکر حدیث میں گذرا کس وقت ہے؟ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شرح سفرالسعادت میں چالیس قول نقل کئے ہیں مگران سب میں دوقولوں کو

ترجیح دی ہے، ایک یہ کہ وہ ساعت خطبہ پڑھنے کے وقت سے نماز کے ختم ہونے تک ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ساعت اخیر دن میں (عصر ومغرب کے درمیان) ہے اور اس دوسرے قول کو ایک جماعتِ کثیر نے اختیار کیا ہے اور بہت احادیثِ صحیحہ اس کی مؤید ہیں۔شیخ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جمعہ کے دن کسی خادمہ کو حکم دیتی تھیں کہ جب جمعہ کا دن ختم ہونے لگے تو اُن کو خبر کردے تا کہ وہ اس وقت ذکر اور دعا میں مشغول ہوجاویں (اشعۃ اللمعات)(بہشتی زیور گیارہواں حصہ صفحہ نمبر ۴۷) ۱

۱ علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ ان دونوں اقوال کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد اختلف السلف فی ایھما ارجح ،فروی البیھقی من طریق ابی الفضل احمد بن سلمة النیسابوری ان مسلما قال ،حدیث ابی موسیٰ اجود شیئ فی ھذاالباب واصحه وبذالک قال البیھقی وابن العربی وجماعة، وقال القرطبی:ھونص فی موضع الخلاف فلایلتفت الی غیرہ، وقال النووی:ھوالصحیح،بل الصواب، وجزم فی الروضة بانه الصواب، ورجحه ایضا بکونه مرفوعا صریحا وفی احدالصحیحین:وذھب آخرون الی ترجیح قول عبدالله بن سلام فحکی الترمذی عن احمدانه قال:اکثرالاحادیث علی ذالک،وقال ابن عبدالبر :انه اثبت شیئ فی ھذاالباب،وروی سعید بن منصورباسناد صحیح الی ابی سلمة بن عبدالرحمن ان ناسامن الصحابة اجتمعوا فتذاکروا ساعة الجمعة ثم افترقوا فلم یختلفوا انھاآخرساعة من یوم الجمعة،ورجحه کثیرمن الائمة ایضا کاحمد واسحاق ومن المالکیة الطرطوشی ،وحکی العلائی ان شیخه ابن الزملکانی شیخ الشافعیة فی وقته کان یختارہ ویحکیه عن نص الشافعی، واجابواعن کونه لیس فی احد الصحیحین بان الترجیح بمافی الصحیحین اواحدھما انماھو حیث لایکون مما انتقده الحفاظ(فتح الباری ج۲ ص۵۳۵،کتاب الجمعة،باب الساعة التی فی یوم الجمعة)

اور اس کے بعد فرماتے ہیں:

الذی ینبغی الاجتھاد فی الدعاء فی الوقتین المذکورین (ایضاً صفحه۵۳۶)

بسلسلہ : تاریخی معلومات

مولوی طارق محمود

ماہِ رجب: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں

□......**ماہِ رجب ۲۰۲ھ:** میں حضرت ابوسعید حماد بن مسعدۃ التمیمی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، حمید الطّویل، سلیمان التیمی، یزید بن ابی عبید، ہشام بن عروہ، عبیداللہ بن عمر اور ابنِ ابی ذئب رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام احمد، اسحاق، علی، معلّیٰ بن اسد، ابوبکر بن ابی شیبہ، فلاس اور بندار رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ سے مروی ایک روایت میں شبِ قدر کے بارے میں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''(شبِ قدر) کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو'' (تھذیب التھذیب ج۳ ص ۱۷، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۳۵۷، تہذیب الکمال ج۷ ص ۲۸۵)

□......**ماہِ رجب ۲۰۴ھ:** میں امام شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص ۵۱) آپ کا اصل نام محمد بن ادریس تھا، اہلِ سنت کی فقہ کے چار اماموں میں سے مشہور امام اور صاحبِ مذہب ہیں، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے تلمیذِ رشید اور عظیم شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کے اخص الخاص اور بلند پایہ اخلاق وصفات کے حامل شاگرد تھے، آپ موصوف سات برس کی عمر میں نہ صرف یہ کہ مکمل حفظ کر چکے تھے بلکہ اس کے معانی اور تفسیر پر بھی مکمل عبور حاصل کر چکے تھے، دس برس کی عمر میں حدیث کی صحیح ترین ضخیم کتاب مؤطا امام مالک جو کہ اس وقت کے اعتبار سے حدیث کا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا تھا حفظ فرما چکے تھے، اور کمال تو یہ کہ محض نو راتوں میں پوری کتاب حفظ یاد کر لی تھی، اور چودہ برس کی عمر میں فقہی اعتبار سے ایک پیچیدہ فتویٰ حل فرما کر اپنے استاد امام مالک رحمہ اللہ سے باقاعدہ فتویٰ دینے کی اجازت حاصل کی، عربی زبان اور اس کی وضاحت و بلاغت میں مہارت کے ساتھ ساتھ آپ اصولِ فقہ یعنی اسلامی قانون کے اصولوں میں لکھی جانے والی کتب کے پہلے مصنف بھی ہیں، بقول ایک مغربی مستشرق کے کہ ''امام شافعی اسلامک لاء کے سب سے پہلے سسٹمائزر (Systemiser) (یعنی نصوص میں پھیلے ہوئے اصولی وفروعی احکام کو دستوری اور قانونی شکل میں مرتب کرنے والے) ہیں'' آپ اپنے وقت کے ایک عظیم قادر الکلام فصیح خطیب اور انتہا درجے کے فیاض اور سخی تھے، آپ کی پیدائش ۱۵۰ھ میں اور وفات رجب کے آخر میں ۲۰۴ھ پنجشنبہ کے دن جمعہ کی رات (چون برس کی عمر میں) مصر میں ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۶۴، طبقات الحفاظ ج ا ص ۲۸، تہذیب التھذیب

Idara Ghufran

ج۹ ص ۲۶ ،سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۵۰۲ ، تھذیب الکمال ج۳ص ۲۹۸)

☐......**ماہِ رجب ۲۰۶ھ:** میں حضرت ابوحذیفہ اسحاق بن بشر بخاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: اسماعیل بن ابی خالد، ابنِ جریج، اعمش ، ابنِ اسحاق، عبداللہ بن طاؤس اور مقاتل بن سلیمان رحمہم اللہ، سلمۃ بن حبیب، احمد بن حفص، محمد بن یزید، محمد بن قدامہ اور اسماعیل بن عیسیٰ العطار رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۶۵ ،سیر اعلام النبلاء ج۹ ص ۴۷۹)

☐......**ماہِ رجب ۲۰۷ھ:** میں حضرت ابوخالد عبدالعزیز بن ابان بن محمد بن عبداللہ بن سعید الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ بغداد میں رہتے تھے، فطر بن خلیفہ، ہارون بن سلیمان الفراء، ابراہیم بن طہمان، اسرائیل اور جریر بن حازم رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، محمد بن حسین بن زبالۃ المخزومی (یہ آپ کے ہم عصر بھی ہیں) ابوسعید الاشج، علی بن محمد الطنافسی اور ابراہیم بن حارث بغدادی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تھذیب التھذیب ج۶ ص ۳۹۵،التاریخ الصغیر ج۲ ص ۲۸۵ ، تھذیب الکمال ج۱۸ ص ۱۱۳)

☐......**ماہِ رجب ۲۰۸ھ:** میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن حسان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، معاویہ بن سلام، حماد ین، عبدالعزیز الماجشون، لیث بن سعد، مالک بن انس اور سلیمان بن بلال رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، محمد بن وزیر الدمشقی، امام شافعی، احمد بن صالح، جعفر بن مسافر اور محمد بن عبداللہ بن البرقی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۶۶،سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۱۲۹ ، تھذیب الکمال ج ۳۱ص ۲۶۹)

☐......**ماہِ رجب ۲۱۱ھ:** میں ابومحمد طلق بن غنام بن طلق بن معاویہ النخعی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، اپنے والد غنام بن طلق ، شیبان بن عبدالرحمٰن، قیس بن ربیع ، مالک بن مغول، یعقوب القمی اور زائدۃ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام بخاری، احمد بن ابراہیم الدورقی، حسین بن عیسیٰ البسطامی، حسین بن عبدالرحمٰن الجرجرائی، قاسم بن زکریا بن دینار اور ابوکریب رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (تھذیب التھذیب ج۵ ص ۳۰،سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۴۰)

☐......**ماہِ رجب ۲۱۵ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس بن مالک الانصاری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ۱۱۸ھ میں ہوئی، آپ کے والد عبداللہ بن المثنیٰ اور سلیمان التیمی، حمید الطّویل، ابنِ عون، ابنِ جریج اور مسعودی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام بخاری، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن جعفر البیکندی، خلیفہ بن خیاط اور قتیبہ بن سعید رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، خلیفہ ھارون

الرشید کے دورِ خلافت میں آپ کو معاذ بن معاذ کے بعد قاضی بنایا گیا، بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی (تھذیب التھذیب ج ۹ ص ۲۴۵، تھذیب الکمال ج ۲۵ ص ۵۴۸، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۵۳۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷۱)

□...... **ماہِ رجب ۲۱۸ھ:** میں عباسی خلیفہ مامون الرشید کا انتقال ہوا (تقویم تاریخی ص ۵۵) اس کا اصل نام عبداللہ تھا، اور یہ ہارون الرشید کا بیٹا تھا، مامون الرشید عقل، تدبیر و سیاست میں بے مثال تھا، ذاتی طور پر اسے علم سے نہایت درجہ کی مناسبت اور والہانہ شغف تھا، اپنے وقت کے چوٹی کے علماء میں اس کا شمار تھا، عقلی علوم سے مناسبت زیادہ تھی، عقائد میں مجموعہ اضداد اور معجونِ مرکب اور مستشرقین کی طرح ایک آزاد مشرب شخص تھا، شیعی عقائد، معتزلی عقائد، فلسفیانہ ذہن و سوچ کا حامل اور اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کا بھی قائل تھا، محض علم میں استحضارِ کامل تھا، ہر فن میں حاضر جواب اور زیرک تھا، تقویٰ اور عقائد میں صحیح نہ ہونے کی وجہ سے یہی علم اس کے لئے دنیا و آخرت میں وبالِ جان اور فتنہ عظیم ہوا، جو حدیث شریف کا صحیح مصداق ٹھہرتا ہے، اس نے دوسرے ملکوں سے وہ تمام کتب جمع کرنا شروع کیں جو عقل و فلسفہ سے متعلق تھیں، جس کا بڑا ذخیرہ ارضِ روم میں تھا، وہاں کے قیصر نے اس لئے تمام یونانی فلسفی اور خالص عقلی اور ہر مذہب و دین سے بیگانہ کتب مامون کی طرف روانہ کر دیں کہ یہ چیزیں جس مذہب میں گئی ہیں اس کی بنیادیں اس نے ہلا ڈالی ہیں، مامون نے تمام کتب کا بڑے شوق اور اہتمام و خرچ سے ترجمہ کروا کر رعایا کو پڑھنے کا شوق دلایا، جب یہ سلسلہ چل نکلا تو نئی نسل قرآن و حدیث کو چھوڑ کر فلسفی و عقلی بحث و مباحثہ میں الجھنے لگی، مامون رشید (جو کہ عقائد میں ملغوبہ تھا) قرآن پاک جو کلامِ الٰہی ہے کے مخلوق ہونے کا قائل بھی تھا، اور جبراً ائمہ وقت اور فقہاء و محدثین کو اس کا قائل ہونے کا حکم دیا تھا جو نہ مانتا اسے سخت سزائیں دی جاتیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ و دیگر چند اہلِ عزیمت علمائے ربانیین کو اسی مسئلہ کی وجہ سے بہت سی سختیوں کا سامنا کرنا پڑا، مرتے وقت اپنے سوتیلے بھائی کو ولی عہد نامزد کیا اور دیگر وصیتوں کے ساتھ خاص طور پر مذکورہ عقیدے کے پرچار کی تاکید کی، حقیقت یہ ہے کہ مامون رشید نے فلسفی و یونانی عقلی کتب کو عربی میں ترجمہ کروا کے اور مسلمانوں میں اس کا رواج عام کر کے امتِ مسلمہ کو ایک بڑی آزمائش میں مبتلا کیا (البدیہ والنھایہ ج ۱۰، الکامل ج ۶ ص ۸، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۷۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۸۹)

□...... **ماہِ رجب ۲۱۸ھ:** میں عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی اور یہ حاکم و بادشاہ مقرر رہا، یہ ہارون الرشید کی لونڈی ماروہ کے بطن سے تھا اور اس کی ولادت ۱۸۰ھ میں ہوئی، اپنے بھائی مامون

کی وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اندھے جوش کے ساتھ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے عقیدے پر مامون سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ حکم جاری کیا، حتی کہ نئی نسل کے بچوں میں بھی اس کو راسخ کرنے کے لئے تراکیب وترتیب مرتب کی گئی، معتصم باللہ غیر معمولی طاقت وتوانائی کا حامل تھا، طاقت ور سے طاقت ور آدمی کا بازو دباتا تو اس کی ہڈیاں چیخ جاتیں، اسی غیر معمولی طاقت کی وجہ سے اسے مامون کی طرح بزم کے بجائے رزم یعنی میدان کارزار کا جوش تھا، اکثر جنگ میں خود جاتا، اسکے آٹھ سالہ مختصر مدتِ حکومت میں آٹھ بادشاہ قید ہوئے جو ریکارڈ ہے (تاریخِ اسلام معینی ص ۲۰۵، البدایہ والنہایہ ج ۱۰، الکامل ج ۶ ص ۲۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۹۰)

□......**ماہِ رجب ۲۱۸ھ**: میں حضرت ابومسہر عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ بن مسہر بن عبدالاعلیٰ بن مسلم الغسانی الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، سعید بن عبدالعزیز، اسماعیل بن عبداللہ بن سماعہ، صدقہ بن خالد، یحییٰ بن حمزہ الحضرمی، مالک بن انس اور محمد بن حرب الخولانی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' کی ''کتاب الادب'' میں اور اسحاق بن منصور الکوسج، محمد بن اسحاق الصغانی، محمد بن محمود بن خالد، عبدالسلام بن عتیق اور ابوہبیرۃ محمد بن ولید رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۹۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۳۰، طبقات ابنِ سعد ج ۴ ص ۴۷۳)

□......**ماہِ رجب ۲۲۰ھ**: میں حضرت عثمان بن الہیثم رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ جامع دمشق کے مؤذن تھے، ہشام بن حبان، عوف الاعرابی، ہشام بن حسان، جعفر بن زبیر اور ابنِ جریج رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہلی، اور حارث بن محمد التمیمی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۷، تہذیب الکمال ج ۱۹ ص ۵۰۴، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۱۰)

□......**ماہِ رجب ۲۲۱ھ**: میں حضرت ابوالحسین عاصم بن علی بن عاصم بن صہیب الواسطی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: آپ کے والد علی بن عاصم، عکرمۃ بن عمار، ابنِ ابی ذئب، لیث بن سعد، عاصم بن زید العمری، عبدالرحمٰن بن زید المسعودی، قیس بن الربیع اور ابومعشر المدنی رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، سلیمان بن توبۃ النہروانی، ابوحاتم، احمد بن حنبل اور عمرو بن علی الفلاس رحمہم اللہ، آپ کی وفات عراق کے شہر واسط میں ہوئی (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۴۵، التاریخ الصغیر ج ۲ ص ۳۱۷، سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۲۶۴، طبقات ابنِ سعد ج ۷ ص ۳۱۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۹۷)

□......**ماہِ رجب ۲۲۳ھ**: میں حضرت ابوسلمۃ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی المنقری البصری رحمہ

اللہ کا انتقال ہوا، اپنے والد اسماعیل اور شعبہ اور حماد بن رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابنِ معین، بخاری، ابوداؤد، ابوحاتم اور ابوزرعہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۳۶۴، طبقات الحفاظ ج۸ ص ۳۳، تہذیب الکمال ج۲۹ ص ۲۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۵)

☐......**ماہِ رجب ۲۲۴ھ:** میں حضرت ابومسلم عبدالرحمٰن بن یونس بن ہاشم الرومی المستملی البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، ابنِ عیینۃ، ابنِ ابی فدیک، حاتم بن صفوان الاموی اور عبداللہ بن ادریس رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، ابراہیم الحربی، محمد بن سعد، ابوحاتم، ابوزرعہ اور ابنِ ابی الدنیا رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۶ ص ۲۷۱، تہذیب الکمال ج۱۸ ص ۲۵، طبقات ابنِ سعد ج۷ ص ۳۵۶)

☐......**ماہِ رجب ۲۲۴ھ:** میں حضرت ابوظفر عبدالسلام بن مطہر بن حسام بن مصک الازدی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کے اساتذہ درجِ ذیل ہیں: جریر بن حازم، شعبہ، سلیمان بن مغیرۃ، حفص بن غیاث، مبارک بن فضالہ اور موسیٰ بن خلف رحمہم اللہ، آپ کے شاگرد درجِ ذیل ہیں: امام بخاری، ابوداؤد، ابراہیم الحربی، سلمۃ بن شبیب، خلیفہ بن خیاط اور ابوبکر بن ابی خیثمہ رحمہم اللہ (تہذیب التہذیب ج۶ ص ۲۹۰، سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۴۳۷، تہذیب الکمال ج۱۸ ص ۹۳)

☐......**ماہِ رجب ۲۲۵ھ:** میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن یوسف بن ابوکریمہ الزمی الخراسانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ بغداد میں رہتے تھے، اسماعیل بن عیاش، خلف بن خلیفہ، سفیان بن عیینۃ، ابوالاحوص سلام بن سلیم اور شریک بن عبداللہ النخعی رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام بخاری، ابراہیم بن عبداللہ بن جنید الختلی، احمد بن ابراہیم الدورقی، احمد بن حسن بن عبدالجبار الصوفی اور ابوبکر بن ابی خیثمہ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تہذیب الکمال ج۳۲ ص ۲۱)

☐......**ماہِ رجب ۲۲۷ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن عبیداللہ بن سہیل بن صخر الغدانی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، بشر بن منصور السلیمی، جریر بن عبدالحمید الضبی، ابواسامہ حماد بن اسامہ، خالد بن حارث اور روح بن مسیّب الکلیبی رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، ابراہیم بن سعد جوہری، احمد بن الاسود حنفی، احمد بن داؤد دکی اور اسحاق بن محمد النخعی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں ”عند البعض مات فی سنة اربع وعشرین ومائتین“ (تہذیب الکمال ج ۱ ص ۴۰۱)

☐......**ماہِ رجب ۲۲۷ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ اسماعیل بن عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن

Iqra Ghufran

ابوعامر الاصبحی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کے والد عبداللہ بن عبداللہ اور آپ کے بھائی ابوبکر اور سلمۃ بن وردان، ابنِ ابی الزناد، عبدالعزیز الماجشون اور سلیمان بن بلال رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام بخاری، مسلم، ابوخیثمہ، دارمی، احمد بن یوسف السلمی اور جعفر بن مسافر رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، ۶۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا (تہذیب التہذیب ج ا ص ۲۷۲، سیراعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۳۹۵، تہذیب الکمال ج۳ ص ۱۳۹)

□......ماہِ رجب ۲۳۰ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن الجعد الہاشمی البغدادی الجوہری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کو بغداد کا محدث کہا جاتا تھا، ۱۳۴ھ میں ولادت ہوئی، امام شعبہ، ابنِ ابی ذئب، حریز بن عثمان، جریر بن حازم، سفیان ثوری، المسعودی، فضیل بن مرزوق اور مبارک بن فضالہ رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، یحییٰ بن معین، خلف بن سالم، احمد بن حنبل اور احمد بن ابراہیم الدورقی رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، آپ کا ساٹھ سال تک یہ معمول تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، ۹۶ سال کی عمر میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۷۶، التاریخ الصغیر ج۲ ص ۳۲۹، تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۴۰۰، سیراعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۴۶۷)

□......ماہِ رجب ۲۳۱ھ: میں حضرت ابوالفضل محرز بن عون بن ابوعون الہلالی بغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ عبداللہ بن عون کے بھائی ہیں، اور آپ کے دادا ابوعون عبدالملک بن یزید مصر کے امیر تھے، آپ کی ولادت ۱۴۴ھ میں ہوئی، ابراہیم بن سعد الزہری، حسان بن ابرہیم الکرمانی، خلف خلیفہ، رشدین بن سعد المصری، شریک بن عبداللہ النخعی، عبداللہ بن ادریس اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام مسلم، ابراہیم بن عبداللہ بن جنید، احمد بن ابراہیم الدورقی، احمد بن حسن بن عبدالجبار الصوفی، احمد بن حنبل اور احمد بن علی بن سہل الدوری رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، عراق کے شہر ''بغداد'' میں آپ کی وفات ہوئی (تہذیب الکمال ج۲۷ ص ۲۸۲)

□......ماہِ رجب ۲۳۴ھ: میں حضرت ابوزید عبدالرحمٰن بن ابوالغمر المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، معاویہ بن یحییٰ الطرابلسی اور عبدالرحمٰن بن القاسم رحمہما اللہ سے حدیث کی سماعت کی، ابوالطاہر بن سرح، حارث بن مسکین، یونس بن عبدالاعلیٰ اور ابوزرعہ الرازی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تہذیب التہذیب ج۶ ص ۲۲۵)

□......ماہِ رجب ۲۳۴ھ: میں حضرت ابومحمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ۱۵۲ھ میں ہوئی، آپ بہت بڑے عالم اور کامل عقل کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت کی

کثرت میں بھی بہت مشہور تھے، اسی وجہ سے آپ کو اندلس کا شیخ کہا جاتا تھا، حدیث کی سماعت اولاً تو مشہور فقیہہ زیاد بن عبدالرحمٰن شبطون اور یحییٰ بن نصر رحمہما اللہ سے کی، اس کے بعد مشرقی ممالک کے ملکوں کا سفر کیا، آپ نے امام مالک رحمہ اللہ کا آخری دور پایا، اور امام مالک رحمہ اللہ سے ان کی مشہور کتاب ''المؤطا'' سوائے ابواب الاعتکاف کے سماعت کی، اور ابواب الاعتکاف کی سماعت زیاد شبطون سے کی جو امام مالک سے روایت کرتے ہیں، لیث بن سعد، سفیان بن عیینۃ، عبداللہ بن وہب اور انس بن عیاض اللیثی سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، آپ کے بیٹے ابومروان عبیداللہ اور محمد بن عباس الولید، محمد بن وضاح، بقی بن مخلد اور صباح بن عبدالرحمٰن العتقی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۷۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۵۲۴)

□......**ماہِ رجب ۲۳۸ھ:** میں حضرت ابوعلی حسن بن حماد الضبی الکوفی الصیرفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، ابن عیینۃ، ابواسامہ، ابوخالد الاحمر، عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی، عبدۃ بن سلیمان، عمرو بن محمد العبقری اور مسہر بن عبدالملک رحمہم اللہ سے آپ روایت کرتے ہیں، ابنِ ابی عاصم، احمد بن علی بن سعید المروزی، ابویعلیٰ، ابوزرعہ اور محمد بن اسحاق السراج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث روایت کی (تهذیب التهذیب ج ۲ ص ۲۳۸، تهذیب الکمال ج ۶ ص ۱۳۵)

□......**ماہِ رجب ۲۳۸ھ:** میں حضرت ابوعبدالرحمٰن بشر بن حکم العبدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ ماوراء النہر کے شہر نیشاپور کے رہنے والے تھے، ابوشیبہ عبسی، مالک بن انس، قاضی شریک، مسلم الزنجی اور فضیل بن عیاض رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، مسلم، نسائی، اسحاق بن راہویہ، ابومحمد الدارمی اور محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی (تهذیب الکمال ج ۴ ص ۱۱۶، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۴۵)

□......**ماہِ رجب ۲۴۰ھ:** میں افریقہ کے قاضی حضرت عبدالسلام بن سعید بن حبیب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ''سحنون'' کے لقب سے مشہور تھے، جب ابنِ ابی الجواد قضاء کے عہدے سے معزول ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی کہ: ''یا اللہ! اس امت پر بہترین اور عادل شخص کو والی بنا'' تو ابنِ ابی الجواد کے بعد ان کو قاضی بنا دیا گیا، آپ جب تک قاضی رہے تو بادشاہ سے کبھی بھی اپنی ذات کے لئے کوئی نفع حاصل نہیں کیا، آپ کی نمازِ جنازہ محمد بن اغلب (جو کہ اس وقت امیر تھے) نے پڑھائی (تاریخ قضاۃ الاندلس ج ۱ ص ۱۷، سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۶۹)

□......ماہِ رجب ۲۴۱ھ: میں حضرت ابوعلی حسن بن حماد بن کسیب الحضرمی البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ''سجادہ'' کے نام سے مشہور تھے، ابوبکر بن عیاش، حفص بن غیاث، یحییٰ بن سعید الاموی اور ابوخالد الاحمر رحمہم اللہ سے آپ نے حدیث کی سماعت کی، امام ابوداؤد، ابنِ ماجہ، عثمان بن خرزاذ، ابوزرعہ، علی بن حسین بن جنید، عبداللہ بن احمد، ابنِ ناجیۃ اور ابوالقاسم البغوی رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ہفتہ کی رات آپ کی وفات ہوئی (تہذیب التہذیب ج۲ ص۲۳۷، التاریخ الصغیر ج۲ ص۳۳۵، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ ص۳۹۳، تہذیب الکمال ج۶ ص۱۳۲)

□......ماہِ رجب ۲۴۲ھ: میں حضرت ابومحمد نوح بن حبیب القومسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث، ابوبکر بن غیاض، وکیع، ابنِ مہدی اور عبدالرزاق رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، امام نسائی، عبداللہ بن احمد، موسیٰ بن ہارون، ابوحاتم، ابوزرعہ الدمشقی، ابنِ ابی الدنیا اور حسن بن سفیان رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۴۳۰، تہذیب الکمال ج۳۰ ص۴۱)

□......ماہِ رجب ۲۴۲ھ: میں حضرت ابوحسان حسن بن عثمان بن حماد بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ ایک بڑے تاریخ دان تھے، اور عباسی خلیفہ متوکل کے دورِ خلافت میں مشرقی بغداد کے قاضی بھی رہے ہیں، اسماعیل بن جعفر، ابراہیم بن سعد، ہشیم بن بشیر، جریر بن عبدالحمید اور شعیب بن صفوان رحمہم اللہ سے آپ حدیث روایت کرتے ہیں، ابوبکر بن ابی الدنیا، اسحاق الحربی، محمد بن محمد الباغندی اور سلیمان بن داؤد الطّوسی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۸۹ سال کی عمر میں انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۱ ص۴۹۸)

□......ماہِ رجب ۲۴۵ھ: میں حضرت ابومحمد عمرو بن سواد بن الاسود بن عمرو بن محمد بن عبداللہ السرحی المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابنِ وہب، امام شافعی، اشہب، عبداللہ بن کلیب المرادی اور مؤمل بن عبدالرحمٰن الثقفی رحمہم اللہ آپ کے استاد ہیں، امام مسلم، نسائی، ابنِ ماجہ، ابراہیم بن عمر القرشی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم، ابوحاتم، بقی بن مخلد رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (تہذیب التہذیب ج۸ ص۴۱، تہذیب الکمال ج۲۲ ص۵۹)

□......ماہِ رجب ۲۴۵ھ: میں حضرت ابوالعباس فضل بن صباح بغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ اصلاً ''نہاوند'' کے رہنے والے تھے، ابنِ عیینۃ، محمد بن فضیل، معن بن عیسیٰ، سعید بن زکریا المدائنی اور ابوضمرۃ رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، امام ترمذی، ابنِ ماجہ، ابنِ ابی الدنیا، محمد بن عبداللہ الحضرمی، محمد بن جریر، محمد بن اسحاق السراج اور محمد بن المسیب الارغیانی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت

کرتے ہیں (تهذیب التهذیب ج۸ص ۲۵۱،تهذیب الکمال ج۲۳ص ۲۲۹)

□......**ماہِ رجب ۲۴۵ھ:** میں حضرت ابوعبدالرحیم محمد بن احمد بن الجراح الجوزجانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ ماوراء النہر کے شہر ''نیشاپور'' میں رہتے تھے، اپنے والد احمد بن الجراح اورروح بن عبادة،سعید بن عامر،ابوالنضر ،وہب بن جریر،ابوعامراورابوجعفر بن عون رحمہم اللہ آپ کے جلیل القدراساتذہ ہیں، امام ابنِ ماجہ،ابویحییٰ محمد بن عبدالرحیم البزار،ابوحاتم،ابراہیم بن ابی طالب،جعفربن احمد الشاماتی اورابوعمرالمستملی رحمہم اللہ آپ کے مایہ نازشاگرد ہیں، جمعہ کے دن وفات ہوئی (تہذیب التہذیب ج۹ص۱۹،تہذیب الکمال ج۲۴ص۳۴۴)

□......**ماہِ رجب ۲۴۵ھ:** میں حضرت ابوبکر بن ابوالنضر ہاشم بن القاسم البغدادی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، اسود بن عامر شاذان، حجاج بن محمد المصیصی، خلف بن تمیم، خلف بن ہشام البزار، ریحان بن سعید اورزافر بن سلیمان رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابوبکر بن ابی خیثمہ، احمد بن محمد بن عاصم الرازی، جعفر بن محمد الفریابی اورشعیب بن محمد بن بن علی الذراع رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (تهذیب الکمال ج۳۳ص ۱۰۱)

□......**ماہِ رجب ۲۴۶ھ:** میں حضرت ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن میمون بن عباس بن حارث تغلبی بن ابی الحواری الدمشقی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ اصلاً کوفہ کے رہنے والے تھے اورآپ کی ولادت ۱۶۴ھ میں ہوئی، آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں: ابنِ نمیر، سلیم بن مطیر، ابنِ عیینة، ولید بن مسلم اورحفص بن غیاث رحمہم اللہ، آپ کے شاگرددرج ذیل ہیں: امام ابوداؤد، ابنِ ماجہ، بقی بن مخلد، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابنِ ابی داؤد، سلیمان بن ایوب رحمہم اللہ، ابنِ معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اہلِ شام یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے ہم پر بارش برساتے ہیں'' (تهذیب التهذیب ج۱ص۴۳)

اصلاحی خطاب مفتی محمد رضوان

معاشرہ جھوٹ اور مبالغے کی لپیٹ میں

وہ خطاب جو حضرت مدیر نے مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار، راولپنڈی میں مورخہ ۴/رجب/۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰/جولائی ۲۰۰۷ء بروز جمعہ نماز جمعہ سے قبل فرمایا اور مولانا محمد ناصر صاحب نے محفوظ ونقل فرمایا(ادارہ......)

اَلْحَمْدُلِلّٰہ،اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَفِیُّہٗ وَخَلِیْلُہٗ اَللّٰھُمَّ فَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی ھٰذَاالنَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَالرَّسُوْلِ السَّیِّدِالسَّنَدِ الْعَظِیْمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ !فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ .

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌم بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًام بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (سورہ الحجرات آیت نمبر ۶)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہِ رب العٰلمین.

فاسق اور شریر آدمی کی خبر

معزز حضرات! قرآن مجید کی جو آیت میں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کی ہے،اس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''اے ایمان والو!اگر تمہارے پاس کوئی فاسق وگناہ گار یا شریر آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو تم اچھے طریقے سے اس کی تحقیق اور چھان پھٹک کرلیا کرو(اور بغیر تحقیق اس خبر پر عمل نہ کیا کرو) کہ کہیں کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچادو، پھر اس کے بعد تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا اور نادم ہونا پڑے''

غیر تحقیقی باتوں اور خبروں کا حکم

اگر چہ یہ آیت تو ایک خاص موقعہ پر نازل ہوئی تھی، جس میں بلا تحقیق خبر کے نتیجہ میں کسی قوم کے ساتھ قتل وغارت گری کا خطرہ ہو گیا تھا، لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ کسی کو ملزم و مجرم ٹھہرانے، کسی پر بدگمانی کرنے اور کسی پر حق لازم کرنے اور کسی پر کوئی حکم ثابت کرنے کا بھی شریعت کا یہی حکم ہے کہ فاسق کی خبر پر تحقیق سے پہلے کوئی فیصلہ اور کوئی اقدام نہ کرو۔

بہر حال معلوم ہوا کہ جب کوئی خبر بلا تحقیق پہنچے تو جب تک دوسرے معتبر ذرائع سے اس کی تحقیق نہ کر لیں، اس وقت تک کسی پر کوئی حق لازم نہ کریں اور کوئی حکم ثابت نہ کریں، اور اس پر اقدام، یقین اور کوئی فیصلہ نہ کریں۔

فاسق کی خبر اور گویا کہ غیر تحقیقی بات پر کوئی اقدام کرنے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہالت قرار دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں علم نہیں، جہالت ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًام بِجَهَالَةٍ

فاسق کی بات نا قابلِ اعتبار ہے

فاسق ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو گناہ گار ہوتا ہے، شرعی احکام کا پابند نہیں ہوتا، اس کی خبر کا اعتبار اس لیے نہیں ہوتا کہ اسے جھوٹ بولنے میں اور غیر تحقیقی بات کرنے میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف نہیں ہوتا۔

حالانکہ ضروری نہیں کہ فاسق کی ہر بات حقیقت کے خلاف ہو بلکہ حقیقت کے موافق بھی ہو سکتی ہے اور حقیقت کے خلاف بھی ہو سکتی ہے؛ اس میں ڈاؤٹ فل ہوتا ہے۔

لیکن کیونکہ اس کی حقیقت تک پہنچنا تو دشوار تھا کہ یہ سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ کہہ رہا ہے، صحیح کہہ رہا ہے یا غلط کہہ رہا ہے اس لیے فاسق کی خبروں کو اُس کے ظاہری حالات اور علامات کی وجہ سے غیر تحقیقی باتوں کے قائم مقام قرار دیدیا گیا ہے۔

اس لیے جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو اگر تحقیق کے بغیر تم اس کے مطابق کوئی فیصلہ کرو گے، کوئی نتیجہ اخذ کرو گے اور کوئی اقدام کرو گے تو اس کے نتیجے میں تم نادم ہو جاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ بلا تحقیق فیصلہ کرنے کے نتیجے میں انسان کو ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اور بلا تحقیق بات کرنے کے نتیجے میں ندامت اور شرمندگی اس طرح اُٹھانی پڑتی ہے کہ ایسا شخص بعد میں جھوٹا پڑتا ہے اور دوسرے کے سامنے ملامت ہوتی ہے کہ ایک بات کہنے کے بعد پھر اس کا نتیجہ کچھ اور

سامنے آتا ہے۔

اسی طرح بلاتحقیق خبر پر صاحبِ معاملہ بعض اوقات غلط فیصلہ کر چکا ہوتا ہے جس کی وجہ سے بعد میں اس غلط فیصلے کا نقصان اور خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

یہ ندامت دنیا میں نہیں تو آخرت میں ہوگی کیونکہ جو بات انسان بلاتحقیق کرتا ہے تو وہ لکھ لی جاتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (سورة ق آيت نمبر ۱۸)

مطلب یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی اپنی زبان سے کوئی بات کرتا ہے تو مقرر کردہ نگہبان فرشتے اسے لے لیتے ہیں اور اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں۔

لہٰذا دنیا میں ثابت کرنے کی نوبت نہیں آئی تو اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائیں گے کہ تم نے یہ بات کہی تھی، تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ ثبوت پیش کرو، اگر کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکا تو مجرم شمار ہوگا، دنیا میں تو انسان کسی طرح بچ نکل سکتا ہے لیکن آخرت میں نہیں بچ سکتا۔

بلاتحقیق فیصلہ کرنے کا حکم

بہرحال بلاتحقیق بات کرنے کا نقصان صرف دنیاوی ہی نہیں ہوتا بلکہ اُخروی بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ شرعاً بھی بڑا جرم ہے، اور اس کے نتیجے میں انسان پیچھے چلا جاتا ہے اور اس کی ترقی رُک جاتی ہے، وہ تنزلی کی طرف چلا جاتا ہے۔

ندامت سے بچنے کا طریقہ

اس لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی ندامت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ سوچ کر زبان سے کوئی لفظ نکالے کہ اگر اس کو دنیا کی کسی عدالت میں ثابت کرنا پڑ گیا تو اس کے پاس اتنی قوی دلیل ہونی چاہیے کہ وہ اس کو ثابت کر سکے، اس سے پہلے اپنی زبان سے کوئی جملہ نہیں نکالنا چاہیے اور اگر دنیا میں ثابت کرنے کی نوبت نہ آئی تو آخرت میں تو یقیناً نوبت آئے گی، کیونکہ انسان کی ہر بات نامۂ اعمال میں درج ہو رہی ہے۔

ہمارا معاشرہ جھوٹی، غیر تحقیقی باتوں اور غیبتوں کی لپیٹ میں

لیکن آج الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا اجتماعی انداز میں گویا کہ غیر تحقیقی باتوں اور غیبتوں کا ایک انبار لے کر معاشرے میں زہر پھیلا رہا ہے اور اس سے ساری قوم کا تعلق جڑا ہوا ہے، چاہے وہ تعلق اخباروں کے ذریعے سے ہو یا وہ ٹی وی کے ذریعے سے ہو یا وہ انٹرنیٹ کے ذریعے سے ہو۔
کہیں سے اُڑتی ہوئی کوئی بات مل گئی، فوراً اُسے نشر کر دیا اور اس دور میں تو بزرگانِ دین کا تجربہ یہ ہے کہ سچ کی بہ نسبت جھوٹ زیادہ پھیلتا ہے، اگر آپ اسے ملکی سطح سے آگے بڑھ کر اور ترقی کر کے انٹرنیشنل سطح پر دیکھیں تو انٹرنیشنل سطح پر بھی جھوٹ زیادہ چلتے ہیں۔
اوپر سے ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم تک جو خبر جس ذریعہ سے بھی پہنچتی ہے، اس کی تحقیق کیے بغیر نہ صرف یہ کہ ہم لوگ اس پر یقین کر لیتے ہیں بلکہ اس کو آگے بھی دوسروں تک چالو کر دیتے ہیں؛ اس وجہ سے جھوٹ اور بھی عام ہوتا جا رہا ہے، ایک حدیث شریف میں ہے:

کفیٰ بالمرء کذباان یحدث بکل ماسمع (صحیح مسلم، جلد ۱، باب النهی عن الحدیث بکل ماسمع)

کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات کو آگے چلتا کر دے، دوسرے کے سامنے نقل کر دے۔

جھوٹ کی کثرت، قیامت کی علامت

ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

لاتقوم الساعة حتی تظهر الفتن ویکثر الکذب وتتقارب الاسواق ویتقارب الزمان ویکثر الهرج ،قلت وما الهرج قال القتل (مسند احمد، مجمع الزوائد، جلد۷، کتاب الفتن)

یعنی قیامت قائم ہونے سے پہلے یقینی طور پر بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے، ان میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ جھوٹ کی کثرت ہو جائے گی، اور ایک یہ فتنہ ہوگا کہ بازار قریب قریب ہو جائیں گے، اور ایک یہ ہوگا کہ زمانہ قریب قریب ہو جائے گا، اور ہرج کی کثرت ہو جائے گی۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہرج کیا ہوگا؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ قتل

ہوگا (یعنی قتل وغارت گری کی کثرت ہو جائے گی)

یہ فتنے آج ہمارے سامنے ہیں، بازار قریب قریب ہیں، ظاہری طور پر بھی اور معنوی طور پر بھی؛ ظاہری طور پر تو ظاہر ہے اور باطنی طور پر پوری دنیا کی مارکیٹیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہو چکی ہیں، قتل وغارت گری بھی عام ہے، اور جھوٹ کی کثرت ہے۔

پھر بعض لوگوں کا مزاج ویسے ہی مبالغہ کا ہوتا ہے کہ کوئی چھوٹی سی بات سُنی اور اُسے بڑھا چڑھا کر پیش کر دیا، پہلے تو یہ مزاج انفرادی سطح پر ہوتا تھا لیکن اب ذرائع ابلاغ نے اس چیز کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بنا کر معاشرے میں عام کر دیا ہے کہ چھوٹی سی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی اُس کی طرف زیادہ توجہ ہو۔ مثلاً اخبار میں اوپر سُرخی میں جو چیز نظر آتی ہے اس سرخی کے ذیلی مضمون میں وہ حقیقت نہیں ہوتی، اس میں سے کوئی ایک آدھ کٹا ہوا اور ناقص جملہ لے کر اسے سُرخی اور ہیڈنگ بنا دیا جاتا ہے تاکہ سب لوگ متوجہ ہو جائیں اور توجہ اور دل چسپی کے ساتھ اس کو ملاحظہ کریں اور یہی کچھ آج کل الیکٹرانک میڈیا پر ہو رہا ہے۔ ریڈیو پر خبریں آ رہی ہیں، ٹیلی ویژن کے ذریعے سے خبریں نشر ہو رہی ہیں، ان میں جھوٹ اور مبالغہ آمیزی کی بھرمار ہے، ہر ایک اپنی ایک مخصوص پالیسی کے تحت کام کر رہا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آج کل کے عام میڈیا کا کام حقیقت تک پہنچنا نہیں، نہ لینا نہ دینا، انہوں نے تو اپنا پیشہ پورا کرنا، شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے، اپنے چینل چلانے، اشتہار لینے اور اپنی کمائی کرنی ہوتی ہے، یا پھر فریقِ مخالف کو بدنام کرنا اور نیچا دِکھانا ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ لوگ اپنے پیشہ اور پالیسی کے اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے نشر واشاعت کرتے ہیں، ان اہلِ میڈیا کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ جس فریق کے متعلق کوئی بات اور خبر نشر کی جا رہی ہے وہ درست ہے یا نہیں اور جس کے متعلق کوئی بات نشر کی جا رہی ہے، وہ حق پر ہے یا نہیں ہے؟

عموماً ان ذرائع ابلاغ کا بنیادی مقصد معاشرے کی اصلاح کرنا نہیں ہے، بنیادی مقصد پیسہ کمانا اور شہرت حاصل کرنا یا اسی طرح کی کوئی اور غرض ہے، اور جو بات زیادہ عجیب وغریب اور مبالغہ آمیز جس اسٹیشن سے نشر ہوتی ہے، جس اخبار سے شائع ہوتی ہے، تو اس کو زیادہ قبولت حاصل ہوتی ہے، زیادہ خریدار ہوتے ہیں، اس کو دیکھنے والے اور اس سے تعلق رکھنے والے، اس سے رشتہ جوڑنے والے اور اس کی تعریف کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں، اور پھر اوپر سے سُننے اور پڑھنے والے ہم لوگ ان خبروں کا اپنے طور پر

مزید آپریشن کرتے ہیں ہر شخص تجزیہ کرتا ہے، اور تجزیہ کرنے والے سرکنڈے کو ڈنڈا بنا دیتے ہیں۔

آج کل کے تجزیوں اور تبصروں کی مثال

جیسے ایک جگہ دسترخوان پر رنگیلے ڈنڈے پہنچے، تحقیق کرنے پر کہ ان کا کیا مقصد ہے؟

معلوم ہوا کہ کسی دور میں مہمانوں کے لیے دسترخوان پر بانس کے درخت کے سرکنڈے آیا کرتے تھے، سرکنڈے کے اندر چھوٹی چھوٹی لیکڑیاں اور تنکے لگے ہوتے تھے، اور مہمان اور کھانا کھانے والے کھانے سے فارغ ہوکر ان باریک لکڑیوں کو توڑ توڑ کر ان سے دانتوں میں خلال کیا کرتے تھے، اس سے پہلے زمانے میں تو لوگ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں سرکنڈے سے توڑ کر لایا کرتے تھے، تاکہ دانت صاف کرلیں بعد والوں نے جلد بازی میں پوری کی پوری شاخیں لانی شروع کردیں کہ کون ایک ایک تنکا توڑنے کے جھگڑے میں پڑے، اس کے بعد پھر جو لوگ آئے اُن کے سامنے ان کا مقصد اور حقیقت نہیں رہی کہ دانتوں میں خلال کرنا بھی کوئی سنت عمل ہے، بس انہوں نے ایک روایت کی حد تک دیکھا کہ دسترخوان پر سرکنڈے آتے ہیں، انہیں یہ نوک دار لکڑیاں غیر مہذب معلوم ہوئیں تو انہوں نے صاف سُتھرے ڈنڈے رکھنے شروع کردیے، پھر ان کے بعد والوں نے اس سے بھی آگے ترقی کی کہ جناب یہ ڈنڈے مہذب نہیں لگتے، ان کو تھوڑا سا رنگ دینا چاہیے تاکہ یہ مہمانوں کے شایانِ شان اور خوبصورت ہوجائیں۔

تو دیکھیے کہ چھوٹے سے خلال سے بنتے بنتے سرکنڈا بنا اور بعد میں سادہ ڈنڈا اور پھر رنگیلا ڈنڈا بن گیا، یہ حالت آج ہمارے معاشرے میں چلی ہوئی باتوں اور خبروں کی ہے کہ بنیاد کچھ ہوتی ہے یا تو تھوڑی سی ہوتی ہے لیکن آگے بڑھتے بڑھتے اور آپریشن ہوتے ہوتے اس کا کچھ کا کچھ بنا دیا جاتا ہے گویا کہ رسّی کا سانپ؛ اور گدھے کو گھوڑا اور زمین کو آسمان بنا لیتے ہیں، اس کے نتیجے میں آج ہماری زندگی فضولیات کی نظر ہوگئی، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص فضولیات میں مصروف اور مبتلا ہوتا ہے وہ ضروریات کے کام کا نہیں رہتا، ضروریات سے محروم ہوجاتا ہے، اس لیے آج جتنے منہ اتنی باتیں ہیں، اور پھر اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے اندر تعمیری کام نہیں رہے، اور اگر ہیں بھی تو بہت کم ہیں، تخریبی کام زیادہ ہیں، پروپیگنڈہ زیادہ ہے، غلط تجزیے زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے تعمیر و ترقی کے نتائج صفر ہیں؛ حقائق تک رسائی کی کوشش نہیں کی جاتی۔

بات نقل کرنا ایک بھاری ذمہ داری ہے

حالانکہ بات نقل کرنے اور حالات و واقعات بیان کرنے کو صرف اور صرف پیشہ بنالینا یا ناک اونچی کرنے

اورشہرت کا یا پھر دوسرے کو نیچا دکھانے کا ذریعہ بنالینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ایک بھاری ذمہ داری ہے ؛ کوئی بات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا یا ایک کی بات دوسرے کے سامنے نقل کرنا یہ ذمہ داری کا کام ہے؛ بنیادی طور پر یہ پیشہ وارانہ کام نہیں تھا، لیکن آج کے دور میں یہ پیشہ بن گیا ہے، اوراس پیشہ بننے کے نتیجہ میں پھراس میں یہ خرابی پیدا ہوگئی کہ جہاں جہاں بھی اور جس جس چیز سے بھی اس پیشہ کوترقی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے، چاہے وہ جھوٹی بات ہو یا سچی، اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔

اسی کا نتیجہ اب یہ ہے کہ جھوٹی افواہیں زیادہ عام ہیں، سچ کی نشرواشاعت کم ہے اور جھوٹ کی نشرواشاعت زیادہ ہے اوراسی پروپیگنڈے کے سُننے کے لوگ عادی بن چکے ہیں۔

شریعت نے تو انسان کو فضولیات سے بھی بچانے کا اتنا اہتمام کیا ہے کہ شریعت نے یہ بھی پابندی لگادی کہ کسی کا عیب جبکہ خلافِ واقعہ بھی نہ ہو، بلکہ حقیقت کے مطابق ہو، اس کا بلاضرورت سننا اور سنانا شرعاً کبیرہ گناہ ہے اور یہ غیبت کے زمرے میں آتا ہے۔

غیبت کی حقیقت

غیبت اس چیز کا نام ہے کہ جو بات کسی سے متعلق کی جارہی ہو اور وہ واقعے اور حقیقت کے مطابق بھی ہو، واقعے کے خلاف نہ ہو لیکن ایسی بات ہو، کہ جس کے متعلق وہ بات کی جارہی ہے، اگر اُسے معلوم ہو تو وہ بات اس کو بُری لگے؛ لہٰذا اس کی وہ بات دوسرے کے سامنے نقل کرنا؛ یہ غیبت کہلاتا ہے۔

آج کل غیبت کے بارے میں جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ غیبت وہ ہوتی ہے، جس میں جھوٹ شامل ہو، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ غیبت تو حقیقت کے مطابق ہوتی ہے اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ شامل نہیں ہوتا، لیکن اس میں ایک کی بُرائی اور عیب یا کمزوری کو دوسرے کے سامنے نقل کرنا ہوتا ہے، اس کو شریعت نے اتنا زیادہ ناپسند کیا ہے کہ قرآن مجید میں اس کے متعلق فرمایا:

وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِھۡتُمُوۡہُ. (سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۲)

کہ تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کے گوشت کو کھائے؟ اور وہ بھائی بھی مردہ ہو، پس تم اسے ناپسند کروگے۔

جب انسان مرجاتا ہے تو مرنے کے بعد اس پر ترس آنے لگتا ہے، مرنے سے پہلے جو دوسرے پر غیض

وغضب تھا، وہ اس کے مرنے کے بعد ختم یا کم ہو جاتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے شخص کو قرآن مجید میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا قرار دیا گیا ہے، کہ یہ غیبت کرنے والا ایسا ظالم ہے کہ اسے اپنے مسلمان مردہ بھائی پر بھی ذرہ برابر رحم اور ترس نہیں آتا۔

اور یہ سب کچھ بحث تو تب ہے جبکہ حقیقت کے مطابق بات کی جارہی ہو، حالانکہ آج کل عام ذرائع ابلاغ اور میڈیا میں مبالغہ آمیزی اور جھوٹ کی آمیزش زیادہ ہوتی ہے۔

لیکن میرا تو مقصد یہ ہے کہ اگر جھوٹ والے پہلو کو تھوڑی دیر کے لیے الگ کر دیں اور سچی خبروں کے بارے میں غور کریں تو سچ کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایک کا کوئی عیب دوسرے کے سامنے نقل کرنا، سننا بلاضرورتِ شرعی یہ دونوں کبیرہ گناہ ہیں۔

اصلاحِ احوال کے لیے دوسرے کا عیب نقل کرنا

البتہ اگر ایسی ضرورت ہو جس کی شریعت نے اجازت دی ہو، مثلاً ایک کا عیب، کمزوری اور برائی دوسرے کے سامنے اس لیے نقل کی جائے کہ دوسرا اس کا رہبر، مقتدا یا سرپرست اور نگہبان ہے اور اس کو اگر اس کی برائی بتلائی جائے گی تو وہ اس کی اصلاح کر سکے گا، تو یہ بطور حکایت کے بیان ہو رہا ہے تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے تو یہاں اس موقع پر اس غرض سے برائی بیان کرنا جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔

لیکن یہاں پر جو اس کی برائی جائز ہے وہ کسی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ عیب نقل کرنے والے کو اس سے ہمدردی ہے، یہ چاہتا ہے کہ اُس کا عیب، اس کی برائی دور ہو جائے اس کی اصلاح کا سامان ہو جائے، لہٰذا کوئی شخص اگر اس نیت سے دوسرے کے سامنے کسی کا عیب نقل کر رہا ہے اور جس کے سامنے نقل کر رہا ہے وہ اس کی اصلاح پر قادر ہے، مثلاً اس کا سرپرست اور بڑا ہے جیسے بچے کی شکایت اس کے والد کے سامنے کی جارہی ہے کہ آپ کے بیٹے میں فلاں فلاں عیوب پیدا ہو چکے ہیں، غلط سوسائٹی میں بیٹھنے لگا ہے؛ اور غرض یہ ہے کہ والد صاحب اس کو اس بری سوسائٹی سے روکیں، اس کی اصلاح کا سامان کریں تاکہ وہ برائی سے بچ جائے، اچھا انسان بن جائے۔

تو یہاں چونکہ دراصل اس سے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہے، اس لیے اس طرح کسی کا عیب نقل کرنا جائز ہے مگر اس سے ہٹ کر عام حالات میں بلاضرورت کسی کے عیب کی نشر و اشاعت کرنے اور کسی کے عیب پھیلانے کو شریعت میں پسند نہیں کیا گیا۔

برائی پھیلانے والا حقیقی دوست نہیں

حضورِ اکرم ﷺ نے ایسے دوستوں سے پناہ چاہی ہے جو دوسروں کی رُسوائی کے لیے اُن کے عیوب نقل کرتے پھریں، اور ایسے لوگوں سے بچنے کے لیے اپنی امت کو یہ جامع دعا سکھائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ خَلِیۡلٍ مَاکِرٍ عَیۡنَاہُ تَرَیَانِیۡ وَقَلۡبُہٗ یَرۡعَانِیۡ اِنۡ رَأٰی حَسَنَۃً دَفَنَھَا وَاِنۡ رَأٰی سَیِّئَۃً اَذَاعَھَا (الجامع الصغیر جلد۲ ،حرف الالف)

''اے اللہ میں ایسے مکّار دوست، ہمراہی اور ایسے ساتھی سے پناہ چاہتا ہوں کہ اُس کی آنکھیں مجھے دیکھتی ہیں اور اُس کا دل مجھے چیرتا ہے، اگر میری اچھائی دیکھے تو اسے دفن کر دے اور اگر میری برائی دیکھے تو اسے پھیلائے

کیونکہ ایسا شخص دوست نما دشمن ہے، وہ خیر خواہ نہیں ہے، برائی اور عیب پھیلانے سے معاشرے کے اندر برائی پھیلتی ہے، معاشرے کے اندر بے سکونی اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، اور اچھائیوں کی اشاعت سے معاشرے کے اندر اچھائیاں پھیلتی ہیں، جب بری چیز پھیلائی جاتی ہے تو برائی کی طرف انسان متوجہ ہوتا ہے، کیونکہ برائی کے اندر نفس کو ایک خاص کشش ہوتی ہے، اس لیے نفس برائی کی طرف جلدی اور زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔

فطری طور پر انسان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی شخص کی برائی ذکر کی جائے تو عداوت، بغض اور دشمنی جلدی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اگر اچھائی کا تذکرہ کیا جائے تو عقیدت، محبت اور ہمدردی اتنی جلدی سے پیدا نہیں ہوتی؛ حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کسی کا اچھا معاملہ سامنے آیا تو اس کی عقیدت اور محبت بھی اسی درجے کی پیدا ہونی چاہیے تھی، اور اگر برائی سامنے آئی تو اسی درجے کی اس سے عداوت پیدا ہونی چاہیے تھی لیکن معاملہ برعکس ہے، کہ اچھائی کو نفس فطری طور پر قبول نہیں کرتا، اور برائی کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے بلا شرعی ضرورت کے دوسروں کی برائیاں نقل کرنا دین کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی برباد کرنے والی چیز ہے، اس سے معاشرے میں بے سکونی اور بے راہ روی پھیلتی ہے۔

تو یہ جو ایک انداز چلا ہوا ہے کہ جو بھی واقعہ پیش آتا ہے، اس میں جتنے منہ اتنی باتیں شروع ہو جاتی ہیں اور ہر شخص ہی تقریباً تجزیہ نگار بن جاتا ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ تجزیہ و تبصرہ نگاری بھی ایک پیشہ اور فخر کی چیز بن گیا ہے، جتنا زیادہ ڈھٹائی کے ساتھ اور جتنے زیادہ مبالغہ کے ساتھ تجزیہ کیا جائے اتنا زیادہ

اونچا پیشہ شمار ہوتا ہے، اور وہ شخص اتنا زیادہ ہی مقبول سمجھا جاتا ہے، معاشرے کے اندر جس کی بات کے اندر جھوٹ کی آمیزش، حقیقت سے دوری اور مبالغہ آمیزی ہو، اس کو بہت مقبول سمجھا جاتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص بات کو اعتدال کے ساتھ اور حقیقت کے مطابق بیان کرے اس کی بات پر یقین نہیں کیا جاتا۔ یہ معاشرہ کی بہت غلط روش اور نہایت غلط چال ہے، جو معاشرے کو فتنہ وفساد کی لپیٹ میں لے کر جا رہی ہے۔

انسان غیر اختیاری احوال اور کیفیات کا مکلّف نہیں

اور ان بے اعتدالیوں اور غلط روش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب لوگوں میں کسی بات کی حقیقت تک پہنچنے کا مزاج نہیں رہا، دُور بینی نہیں رہی، اور اس کی بھی بنیادی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ کیفیات اور جذبات کی رُو میں بہہ رہا ہے۔

حالانکہ کیفیات وجذبات پر کسی بات کے مؤقف کا دارومدار نہیں ہونا چاہیے، آپ کی کیفیت کسی کے بارے میں آج اچھی ہے اور کل کو آپ کی وہ کیفیت بدل کر بُری ہوگئی، تو ضروری نہیں کہ جس وقت آپ کی کیفیت اس کے حق میں اچھی تھی، تو وہ شخص اچھا تھا اور جب آپ کی کیفیت اس کے متعلق بُری ہوگئی وہ بُرا بن گیا، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، جذبات اپنی جگہ ہیں، کیفیات اپنی جگہ ہیں، کیفیات پر کسی مؤقف کا، کسی فیصلے کا، کسی نتیجے کا دارومدار رکھنا، یہ ہماری غلط فہمی ہے، اسی لیے شریعت نے انسان کو اعمال کا مکلّف کیا ہے احوال کا مکلّف نہیں کیا، کیونکہ احوال آنی جانی چیز ہیں۔

مثلاً ایک صورت تو کیفیت اور حالت کی یہ ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں لیکن طبیعت نماز کو نہیں چاہ رہی ہے طبیعت میں تکدر اور انقباض ہے، طبیعت کراہیت کر رہی ہے، لیکن آپ اس کے باوجود نماز پڑھ رہے ہیں، اور شریعت نے نماز پڑھنے کا جو طریقہ مقرر کیا ہے، اس طریقے سے پڑھ رہے ہیں۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ جس طریقے سے شریعت نے حکم دیا تھا اس طریقے سے نماز بھی پڑھ رہے ہیں، اور طبیعت میں خوشی بھی ہے اور بشاشت بھی ہے، اور جذبات بھی بڑے اچھے ہیں۔

اب ان دونوں صورتوں میں کیفیات مختلف ہیں؛ لیکن عمل یکساں ہے، اور قیامت کے روز عمل کے بارے میں باز پُرس ہوگی کہ اچھا اور نیک عمل کیا تھا یا نہیں؟ بُرے عمل سے بچے تھے یا نہیں، کیفیت کے بارے میں پوچھ نہیں ہوگی کہ اس وقت آپ کی کیفیت کیا تھی؟ اس لیے کہ عمل انسان کے اختیار میں ہے، کیفیت

Idara Ghufran

اختیار میں نہیں ہے، اور اسی عمل کا انسان کو مکلّف کیا گیا ہے، اسی کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

اسی طرح خیالات اور خواب کا معاملہ بھی ہے کہ خیالات اور خواب آئے اور چلے گئے، ان کا انسان مکلّف نہیں، یہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، اگر انسان خواب میں کسی سے زنا کرتا ہے، تو اس پر حد جاری نہیں کی جاسکتی اس کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کو زانی قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یہ اس کی ایک حالت ہے، اس کی ایک کیفیت ہے، جو منعکس ہو کر خواب کی شکل میں نظر آ رہی ہے۔

لیکن اگر حقیقت میں وہ زنا کرتا ہے تو وہ اختیار سے کر رہا ہے، اس لیے وہ اس کا عمل ہے، اور اس پر اُسے گناہ بھی ہوگا، اور سزا بھی جاری ہوگی، اور جو غیر اختیاری چیز ہے وہ اس کی کیفیت اور حالت ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اعمال پر رکھ دیا گیا ہے، احوال پر نہیں رکھا گیا اور ہم اعمال کا رُخ احوال کی طرف چلاتے ہیں، ہمارے اعمال احوال پر مرتب ہوتے ہیں؛ جیسا کیفیات اور جذبات میں اُتار چڑھاؤ آتا ہے، اسی کے مطابق ہمارے موقف میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کبھی ادھر جھک گئے، کبھی اُدھر جھک گئے جدھر ہوا کا رُخ دیکھا اس طرف ہو گئے، حالانکہ انسان کو ہوا کے رُخ پر نہیں چلنا چاہیے۔

یہ کائنات اور ہوا سارا کچھ انسان کے لیے بنایا گیا ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ ان ہواؤں سے فائدہ اُٹھائے لیکن ان ہواؤں کی رو میں نہ بہہ جائے کیونکہ یہ اس کی خادم ہیں، مخدوم نہیں ہیں، انسان مخدوم ہے، کائنات میں سب کچھ انسان کے لیے بنایا گیا ہے، انسان اگر ہوا کے رُخ میں بہے اور جیسی ہوا کا رُخ دیکھے اسی کے مطابق اپنا موقف اختیار کر لے، تو یہ مخدوم کا خادم کے تابع ہوجانا ہے۔

بہرحال یہ حالت آج ہماری ہے کہ جو معاملہ، حادثہ یا سانحہ رونما ہوتا ہے، اس سے متعلق ہر شخص اپنی غیر اختیاری کیفیات اور جذبات کے مطابق اپنا موقف بنالیتا ہے، اور کیفیت وجذبہ ہر ایک کا اپنا اپنا ہوتا ہے اور وہ ادلتا بدلتا بھی رہتا ہے، اس لیے اس میں کوئی استحکام وٹھہراؤ نہیں ہوتا بلکہ اطباء نے تو بدن میں مختلف اخلاط کے اُتار چڑھاؤ سے اور مختلف قسم کی غذائیں کھانے سے بھی جذبات وکیفیات کے اُتار چڑھاؤ کا ہونا بیان کیا ہے تو یہ کیفیات وجذبات اتنی کمزور اور غیر اختیاری چیز ہیں۔

لہٰذا اِن پر اپنے مدّعا وموقف کا دارومدار رکھنا صحیح نہیں ہے؛ اسی لیے اللہ والے فرماتے ہیں کہ انسان کو ابوالحال بننا چاہیے، ابنُ الحال نہیں بننا چاہیے۔ اور یہ جذبہ اور کیفیت تو ایک حال ہے، اس کے تابع ہونا

دراصل ابنُ الحال بننا ہے، اوراس کو اپنے تابع رکھنا اوراس کے ماتحت نہ ہونا ابوالحال بننا ہے۔

آج کل ہمارے یہاں اسلام آباد میں ایک مدرسے ومسجد کے خلاف حکومت کی طرف سے سائلنس آپریشن ہونے ہونے کے بعد جس طرح پہلے مختلف تبصرے وتجزیے ہورہے تھے، اسی طرح اب بھی ہورہے ہیں، اوراس میں بھی لوگوں کی اپنی اپنی کیفیات وجذبات کارفرما ہیں، حکومت یا لال مسجد وجامعہ حفصہ انتظامیہ میں سے کسی ایک کے موقف یا طریقۂ کار کی موافقت یا مخالفت کا دارومدار اپنے اپنے جذبات اور کیفیات پر چل رہا ہے، اور جذبات وکیفیات کے اُتار چڑھاؤ سے موقف میں بھی تبدیلی پیدا ہورہی ہے، بعض لوگوں کا موقف جو سائلنس آپریشن سے پہلے تھا وہ آپریشن کے بعد نہیں ہے، اور شاید جو اس وقت ہے وہ آئندہ نہ ہو۔ مگر ہم تو پہلے سے اب تک ایک ہی بات کہہ رہے ہیں کہ جامعہ حفصہ ولال مسجد انتظامیہ کا موقف اور اُن کے مطالبات اپنی جگہ درست اور صحیح اور حق اور سچ تھے، لیکن اُن کو منوانے کے لیے جو طریقۂ کار اور حکومت کے ساتھ محاذ آرائی کی جو فضا قائم کی ہوئی تھی اور جس کے نتیجے میں دوسرے دینی مدارس وعلماء ٹارگٹ اور ہدَف بنے ہوئے تھے، وہ طرزِ عمل یا طریقۂ کار درست نہ تھا۔

تاہم اس کے باوجود حکومت نے جو اس پر ردِعمل کا مظاہرہ اور طریقۂ کار اختیار کیا؛ وہ لال مسجد وجامعہ حفصہ انتظامیہ کے طرزِ عمل یا طریقۂ کار سے کہیں زیادہ غلط اور سنگین تھا۔

اوراس کے نتیجے میں جامعہ حفصہ ولال مسجد میں جو طلبہ وطالبات اور علماء قتل ہوئے وہ شرعاً شہید ہیں۔

اس اجمال کی اب جتنی چاہے تفصیل کرلی جائے، اُصولی بات صرف اتنی ہی ہے۔ مگر ذرائع ابلاغ اور میڈیا نہ جانے اس سلسلہ میں اپنے اپنے طور پر کیا کیا رام کہانیاں سُنا رہے ہیں اور ہم لوگوں کی حماقت وبیوقوفی ہے کہ اپنی اپنی کیفیات وجذبات کے موافق ہر صحیح وغلط بات پر بلاتحقیق یقین کیے جارہے ہیں اور رات ودن اس پر تبصرے، تجزیے، اور آپریشن کرنے میں لگے ہوئے ہیں؛ حکومت نے جو ایک آپریشن کیا، اُس کی جواب دہ وہ ہے، لیکن ہم جو غیر تحقیقی باتیں کرکر کے سینکڑوں آپریشن کررہے ہیں، ان سب کا جواب ہم نے دینا ہے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بلاتحقیق کوئی بات کرنے اور غیر تحقیقی باتوں اور خبروں پر کوئی فیصلہ کرنے اور کوئی اقدام کرنے سے محفوظ فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو جذبات وکیفیات کی رو میں بہنے سے بچا کر اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

مقالات و مضامین (خاص مضمون بسلسلہ ۱۴/ اگست) مفتی محمد امجد حسین

برصغیر کی اسلامی تاریخ اور آزادی کی تحریکیں

برصغیر میں مستحکم اسلامی سلطنت کی بنیاد چھٹی صدی ہجری کے آخر میں سلطان شہاب الدین غوری کے دہلی واجمیر کی فتح کے بعد پڑی، یہ صرف سیاسی فتح ہی نہ تھی روحانی بھی تھی، اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ کا اس فتح سے کچھ ہی عرصہ پہلے آ کر ڈیرا ڈال لینا اور تبلیغ اسلام کا کام شروع کر کے جسمانی و زمینی فتح سے پہلے دلوں اور روحوں کی فتح و تسخیر شروع کر دینا محض اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ قضاء وقدر کا فیصلہ تھا کہ ہندوستان کی فتح صرف ایک خطہ زمین اور سلطنت کی فتح تک محدود نہ ہو بلکہ اہل ہند کے دلوں اور روحوں کی بھی فتح ہو کہ عرصے سے گمراہی میں پڑے، شرک سے آلودہ دلوں میں نورِ ایمان داخل ہو اور اسلام وہاں باہر سے درآمد شدہ قوت کی بجائے اہل ہند کے گھر کا سرمایہ اور رأس المال بن جائے جس پر وہ سو جان سے نثار ہوں۔ اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد ایک طرف مسلمان سلاطین یہاں سیاسی نظام کو مستحکم کرتے رہے فتوحات ومقبوضات کو وسعت دیتے رہے اور بہتر سے بہتر نظام سلطنت اور ایک مثالی و آئیڈیل مملکت ،مختلف راجواڑوں اور ریاستوں میں بٹی ہوئی اس سرزمین ہند کو بناتے رہے تو دوسری طرف مشائخ عظام حضرات صوفیاء اور علماء کرام یہاں دین اسلام کی فطری آفاقی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرتے رہے اس طرح سو دو سو سال میں ہی یہاں اسلام کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہوگئیں اور یہ خطہ اسلام کے لئے اجنبی دیس نہیں بلکہ اپنا وطن بن گیا۔ یہاں کی قومیں، کثیر تعداد میں جوق درجوق اسلام میں داخل ہو کر اسلام ہی کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ گئیں غوری کی فتح کے بعد جو پہلی اسلامی سلطنت یہاں قائم ہوئی تاریخ میں سلطنت غلاماں کے نام سے موسوم ہے۔ قطب الدین ایبک (غوری کا غلام)، شمس الدین التمش، رضیہ سلطانہ، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن اس سلطنت کے نامور، زیرک و بہادر اور خدا ترس بادشاہ تھے۔ اس سلطنت کا زمانہ ایک صدی پر مشتمل ہے یعنی غوری کی فتح دہلی واجمیر وغیرہ (۵۸۷ھ میں) سے لے کر ۶۸۸ھ تک۔ دوسری سلطنت خلجیوں کی قائم ہوئی۔ ۶۸۹ھ سے ۷۲۰ھ تک تقریباً ۳۰ سال اس کا زمانہ ہے۔ یہ خلجی خاندان کی سلطنت تھی۔ اصل بادشاہ اس میں دو ہی ہیں۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی چچا اور علاؤ الدین خلجی بھتیجا۔ آخری چار سال علاء الدین خلجی کے بیٹوں کا

زمانہ ہے جن کے ہاتھوں اس سلطنت کی لٹیا ڈوبی۔

خلجیوں کے بعد تغلقیہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی جو ۷۲۰ھ تا ۷۹۰ھ ۷۰ سال پر مشتمل ہے، غیاث الدین تغلق، محمد بن تغلق، اور سلطان فیروز شاہ اس سلطنت کے تاجدار ہوئے ہیں۔ ۷۹۰ھ تا ۸۱۷ھ طوائف الملوکی اور انتشار کا زمانہ ہے اس دور میں ۸۰۰ھ میں تیمور لنگ کا دہلی پر حملہ، قتل وغارت گری، لوٹ مار اور عام تباہی کا سانحہ عظمیٰ پیش آیا۔ ۸۱۷ھ تا ۸۵۵ھ سید خاندان حضر خان وغیرہ کی حکومت کا زمانہ ہے۔ ۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ لودھی (پٹھان) خاندان کا دور حکومت ہے۔ بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی اس سلطنت کے رکن رکین اور شاہانِ متین تھے۔ لگ بھگ پون صدی پر مشتمل ان کا زمانہ ہے۔ ۹۳۲ھ بمطابق ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ نے لودھیوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا ابراھیم لودھی جنگ میں کام آ گیا۔ اور مغل بابر کی فتح مندی سے مغلیہ سلطنت کا دور شروع ہوا جو ۹۳۲ھ سے لے کر ۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء تک رہا۔ اس میں آدھا دور سلطنت کے عروج اور شباب کا ہے باقی آدھا دور زوال، انحطاط، طوائف الملوکی اور کٹھ پتلی حکومت کا ہے۔ عروج کا دور بابر کی فتحمندی اور قیام سلطنت ۹۳۲ھ سے سلطان اورنگزیب عالمگیر کی وفات ۱۱۱۸ھ بمطابق ۱۷۰۷ء تک ہے۔ اس زمانے میں یہ اولوالعزم بادشاہ ہوئے۔ بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب عالمگیر۔ یہ دور ۱۸۰ سال سے کچھ اوپر بنتا ہے۔

اس کے بعد مغلیہ شہزادے جو حکومت پر آتے رہے اور دلی کے شاہی قلعہ کی زینت بنتے رہے وہ بالعموم نام کے ہی بادشاہ ہوئے ہیں۔ ان میں اکثر کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ کئی انگریزوں کے پنشن یافتہ ووظیفہ خوار تھے تا آنکہ اٹھارہ سوستاون کی جنگِ آزادی نے یہ نام کی سلطنت بھی مٹا دی۔ غالب کا یہ مشہور شعر اس سلطنت کے مٹنے کا مرثیہ ہے۔؎

داغ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

بڑا بامعنی شعر ہے کیونکہ شمع تو تھی لیکن جل نہیں رہی تھی اس کا شعلہ گل کر دیا گیا تھا اسے رنگون میں نظر بند کر دیا گیا۔ بہادر شاہ نام کی سلطنت چھننے کے بعد بھی زندہ رہا۔ لیکن شاہ شطرنج بھی نہیں بلکہ رنگون میں انگریزوں کا قیدی بن کر۔ دلی کی چھ سو سالہ اسلامی عظمتوں کے چہرے کا پیازی آنسو۔ ہاں پیازی آنسو، بہادر شاہ ظفر۔ یہ رنگون میں انگریزوں کی قید میں ہی فوت ہوا۔ لال قلعہ کے شطرنجی بساط سے معزول ہونے

سے پہلے شاہ شطرنج بہادر شاہ ظفر نے حقیقت کی یوں ترجمانی بھی ایک دفعہ کی تھی۔

بعد تیرے نے ولیعہدی نہ نامِ سلطنت اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظامِ سلطنت

چونکہ ہند میں اسلامی سلطنت کا سیاسی زوال عالمگیر اورنگزیب رحمہ اللہ کی وفات کے ساتھ ہی شروع ہوجاتا ہے اس کے بعد طوائف الملو کی اور مشرق و مغرب کے مہم جوؤں اور طالع آزماؤں کی غارت گریوں اور سلطنت کے حصول کے لئے اکھاڑ پچھاڑ کا دور ہے۔ اس لئے اورنگزیب رحمہ اللہ کی وفات سے ہم اس زوال کے دور کا ایک اجمالی خاکہ یہاں پیش کرتے ہیں۔

۱۱۱۸ھ بمطابق ۱۷۰۷ء میں اسلامی عظمتوں کے آخری امین و تاجدار سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کی آنکھ بند ہوتی ہے بقول اقبال مرحوم ع ترکشِ مارا خدنگ آخریں

آپ کے بعد ایک دم اسلامی سلطنت زوال و انحطاط کے عمیق غار میں کیوں گری؟ یہ کوئی بڑا تاریخی معمہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں زوال بہت عرصے سے آچکا تھا۔ ہندی مسلمانوں میں اولوالعزمی، دینی و دنیوی حوصلہ مندیوں کی باتیں اب ماضی کا قصہ بن گئی تھیں اور بنتی جارہی تھیں۔ طرح طرح کے ملی، اجتماعی، اخلاقی، روحانی، علمی اور سیاسی عیوب میں مسلمان خصوصاً ان کا طبقہ اشرافیہ مبتلا ہو رہا تھا۔ عالمگیر رحمہ اللہ ان ساری کمزوریوں اور عیوب پر ایک خداوندی پردہ تھے۔ آپ کی ایک ذات والا صفات نے پچاس سال تک مسلمانوں کی کمزوریوں کو اپنی اولوالعزمیوں سے ڈھانپے رکھا اور سلطنت میں ضعف نہ آنے دیا۔ آپ کے جاتے ہی وہ دیوار دھڑام سے گر گئی جس پر غفلت شعار قوم تکیہ کئے ہوئے تھی۔

آپ نے قوم کے جرائم اور ان کی کاہلیوں کا پردہ اپنے خطوط رقعات عالمگیری میں چاک کیا ہے۔ صرف دو اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''آدم ہوشیار، امانتدار، خداترس، آباداں کارکمیاب''

آنچہ بر جستیم و کم دیدیم و بسیار است و نیست نیست جز آدم دریں عالم کہ بسیار است و نیست

ترجمہ: جو چیز ہم نے بہت ڈھونڈی لیکن بہت کم پائی حالانکہ بظاہر وہ بہت ہے لیکن حقیقت میں ناپید ہے وہ انسان ہے کہ اس کے علاوہ اس عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو تعداد و گنتی میں تو بہت زیادہ ہے لیکن حقیقت میں ناپید ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

Idara Ghufran

''حالا یک کس برائے دیوانی بنگالہ کہ بہ حلیہ راستی وکاردانی آراستہ باشد، مے خواہم، یافتہ نمی شوداز نایابی آدم کار آہ۔آہ''(بحوالہ رودکوثر)

ترجمہ: ابھی صوبہ بنگال کا انتظام سنبھالنے کے لئے موزوں آدمی کی تلاش ہوئی تو ایک کام کا آدمی بھی نہ ملا جو اس منصب کا اہل ہو۔کارآمد لوگوں کی کمیابی پر ہائے افسوس۔ہائے افسوس۔

پس عالمگیر کی آنکھ بند ہوتے ہی ایک طرف ہندوؤں کو کھلی چھوٹ مل گئی وہ سلطنت کی جڑیں کھودنے لگے، دوسری طرف مرہٹے بادشاہ کی زندگی میں ہی سرکشی پر اترے ہوئے تھے اب کھلم کھلا مقابلے پر آگئے۔ تیسری طرف جاٹوں نے شورش برپا کردی،اور دلی کے آس پاس غارت گریاں کرنے لگے، چوتھی طرف پنجاب میں سکھوں کی چاندی ہوگئی انہوں نے وہاں لوٹ مار مچادی،اس سب کے ساتھ ساتھ بہت سے مسلمان گورنروں،صوبوں کے والیوں نے بھی مرکزی حکومت سے بغاوت اور خودمختاری کا اعلان کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل ایمپائر کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔سلطنت کمزور،خزانہ خالی، چاروں طرف بدامنی،ظلم کا اندھاراج،لوٹ مار کے عفریت کا ننگا ناچ۔مرکزی حکومت پر قابض ہونے کے لئے جاٹوں، مرہٹوں کی طالع آزمائیاں اور اس پر مستزاد مغل شہزادوں کی سلطنت کے لئے آپس کی خانہ جنگیاں۔یہ نقشہ عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی سلطنت کا بنتا چلا گیا۔

اس عرصہ میں ۱۷۰۷ء سے ۱۷۱۹ء تک یہ شہزادے یکے بعد دیگرے تخت دلی پر آئے اور گئے۔شہزادہ معظم، بہادرشاہ اول، جہاں دارشاہ،فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ۔

فرخ سیر کا عہد سات سال پر مشتمل ہے۔اس کے دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں اڑتیس گاؤں خریدنے کا پروانہ ملا جس کے بعد ان کے تجارتی داؤ پیچ،غبن،خیانت،اجارہ داری اور استحصال کا سلسلہ روز افزوں ہوتا گیا۔۱۷۱۹ء میں ناصرالدین محمد شاہ المعروف رنگیلا (اپنی رنگ رلیوں اور عیاشیوں کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہوا) بادشاہ بنا اس کا عہد حکومت لگ بھگ تیس سال پر مشتمل ہے۔۱۷۴۸ء بمطابق ۱۱۶۱ھ کو یہ فوت ہوا۔اسی کے عہد حکومت میں ۱۷۳۹ء میں ایران کے نادرشاہ افشار کا ہندوستان پر حملہ ہوتا ہے اور وہ دلی کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہے،خون پانی کی طرح بہاتا ہے اور سارا خزانہ بشمول تخت طاؤس (جس کی قیمت صاحب نصائح شاہجہانی نے سات کروڑ لکھی ہے) اور کوہ نور ھیرے کے لوٹ کر چلتا بنتا ہے۔ساتھ ساتھ دریائے سندھ کے پار کے صوبے سرحدی علاقے پشاور سے کابل تک بھی اس کے قبضے

میں آ گئے کیونکہ کابل وقندھار سمیت یہ سارے افغان علاقے مغلیہ سلطنت کے زیر اقتدار تھے۔ عالمگیر کا دکن سے کابل تک یکساں حکم چلتا تھا۔ ۱۷۴۹ء سے ۱۷۵۴ء احمد شاہ کا دور ہے۔ اس کے بعد عالمگیر ثانی کا اور اس کے بعد شاہ عالم ثانی کا جس کے زمانے میں ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی دعوت پر ہندوستان پر حملہ کیا اور مرہٹوں کی لاکھ فوج کو پانی پت کے میدان میں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ہندوستان کو اس ناسور سے نجات دی، مرہٹوں کی ترک تازیاں عالمگیر کے زمانے سے اب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اگر مرہٹوں کی کمر احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں پانی پت میں نہ ٹوٹتی تو ہندوستان کے مستقبل کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ شائد فرنگی راج کی بجائے مرہٹہ راج ہند میں قائم ہوتا اور احمد شاہ ابدالی نہ آتا تو مرہٹہ راج سرزمین ہند پر قائم ہونے میں آج اور کل کی دیر تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے اسلامی سلطنت کو سنبھالا لینے کا ایک موقعہ فراہم کیا اس نے شیعہ سنی جھگڑے کا بھی انتظامی تقسیم کے ذریعے بہت مناسب ومعقول فیصلہ کر لیا تھا۔ اگر مغل شہزادے اور ایرانی تورانی امراء ہوش سے کام لیتے اور قدرت کی طرف سے ملنے والے اس خلاف توقع سنبھالا ملنے کی قدر کرتے تو شائد اسلامی سلطنت کو پھر عروج سابق نصیب ہوتا اور مرہٹہ گردی کے بعد ہندوستان کو سکھا شاہی اور فرنگی وفرانسیسی نرغے، قبضے، استحصال اور تسلط کے بُرے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ لیکن ابن خلدون کے بقول سلطنتوں کی بھی ایک طبعی عمر ہوتی ہے وہ عمر گزار کر جب ان پر انحطاط آتا ہے تو انسانی بڑھاپے کی طرح سلطنتوں کا یہ بڑھاپا بھی پھر شباب میں نہیں بدلتا۔ سلطنتوں کی جان لے کر ہی ٹلتا ہے، قدرت کا بھی یہی قانون ہے۔ **''تلک الایام نداولھا بین الناس''**

ورنہ عالم اسباب میں احمد شاہ ابدالی نے سلطنت ہند کو جو سنبھالا دیا اس سے مغلیہ سلطنت کے سقوط ۱۸۵۷ء تک لگ بھگ سو سال کا عرصہ بنتا ہے تو گویا کہ سنبھلنے کے لئے ایک صدی کی مہلت ملی ''لیکن ہیچ کار نہ آئد'' ہم یہ نہیں کہتے کہ احمد شاہ ابدالی کی فوجوں نے لوٹ مار اور قتل وغارت گری نہیں کی ہوگی، لیکن بات یہ ہے کہ اس نے مغلیہ سلطنت کے بڑے دشمن کو ٹھکانے لگایا اور لال قلعہ کی مرکزی مغلیہ سلطنت کو مستحکم کیا۔

۱۷۵۴ء بمطابق ۱۱۶۷ء کو عالمگیر ثانی بادشاہ ہوا جس نے ۱۱۷۳ء بمطابق ۱۷۶۰ء تک حکومت کی۔ عالمگیر ثانی کے عہد میں ۱۷۵۷ء کو بنگال میں نواب سراج الدولہ ناظم بنگال انگریزوں کی عیاریوں اور اپنے خسر میر جعفر کی غداریوں کے شکار ہو کر معرکہ جنگ میں شہید ہوئے۔ ۱۱۷۳ھ میں عالی گوہر محمد شاہ عالم ثانی بادشاہ ہوئے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے ساتھ تجارت کے لئے وجود میں آئی تھی۔ یہ سترہویں صدی میں جہانگیر کے عہد میں برطانیہ میں وہاں کے نوابوں اور امراء کے سرمائے سے وجود میں آئی اور ملکہ برطانیہ سے انہوں نے بلاشرکت غیرے ہندوستان کے ساتھ تجارت کا اجازت نامہ حاصل کیا تا کہ کوئی اور کمپنی انگریزوں کی ان کے مقابلے میں تجارت کے لئے ہندوستانی منڈی کا رخ نہ کر سکے، اس طرح برطانوی قانون نے صرف اسی کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کا حق دیا۔ یہاں کے بادشاہوں کی فیاضیوں، اور ذرہ نوازیوں سے ان کی تجارت پھلتی پھولتی رہی اور وہ محصولات سے بھی آزاد رہے، فرخ سیر کے عہد (۱۷۱۷ء) میں انہوں نے بنگال کے کئی گاؤں کی زمینداری کا لائسنس بھی حاصل کرلیا۔ پھر اس کے بعد یہ پر پرزے نکالتے رہے۔ بنگال میں ان کی دست درازیاں بڑھتی رہیں۔ نواب سراج الدولہ ناظم بنگال ان کی ہوس زر اور تجارتی مظالم میں حائل ہوا تو اس کو سازشوں اور جنگوں کے ذریعے ٹھکانے لگا دیا۔ ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ کے ساتھ پلاسی کی جنگ میں انگریز سازشوں اور عیاریوں سے جیت گئے اور بنگال کی قسمت کا فیصلہ انگریزوں کے حق میں ہوگیا۔ اس کے بعد میر جعفر انگریز کی ایجنٹی کرتا رہا آخر اس سے بھی انگریزں کی ان بن ہوگئی تو اس کے داماد میر قاسم کو میدان میں اتارا۔ سازش کے ذریعے میر جعفر کو قید کرایا پھر میر قاسم سے بھی ٹھن گئی کیونکہ ان کی ہوس زر پرستی اور استحصال کسی حد پر رکتی ہی نہ تھی کوئی کہاں تک ان کے مطالبے پورے کرتا۔ میر قاسم اور شجاع الدولہ نے مل کر انگریزوں سے جنگ کی۔ اس جنگ میں انگریز کو بُری طرح مار پڑی لیکن ان کی سازشیں کام آئیں اور بعد میں جنگ کا پانسہ ان کے حق میں پلٹ گیا، سراج الدولہ کے ساتھ بھی جنگوں میں انگریزوں نے منہ کی کھائی تھی لیکن سازشیں کام کرتی رہیں اور شیرانِ نر، اپنوں ہی کے ہاتھوں غیروں کی ہوس رانیوں کا لقمہ بنتے رہے۔ میر قاسم کے ساتھ بنگال میں ہونے والی یہ جنگ بکسر کی جنگ کہلاتی ہے۔ بکسر کی جنگ نے انگریزوں کو لٹیرے تاجر کی مسند سے اوپر اٹھا کر حاکم مسلط و جابر کے منصب پر فائز کر دیا۔ اس فتح کے بعد بنگال بہار اڑیسہ تین صوبے مغل ناعاقبت اندیش بادشاہ کو صلح میں انگریزوں کو دینے پڑے۔

یہ ۱۱۷۹ء بمطابق ۱۷۶۵ء کے انقلابات ہیں کہ انگریز تین صوبوں کے بیٹھے بٹھائے حاکم بن بیٹھے اور مغل بادشاہ ان کا وظیفہ کھانے لگا یعنی شاہ عالم ثانی دلی کی بجائے الہ آباد میں ان کی کفالت میں رہ پڑا۔

عالی گوہر شاہ عالم ثانی کا دور حکومت ۴۸ سال پر مشتمل ہے ۱۱۷۳ھ تا ۱۲۲۱ھ بمطابق ۱۷۶۰ تا ۱۸۰۶ء اس عہد کے بڑے افسوسناک واقعات، حادثات ہیں۔ شاہ عالم کی نالائقیوں کی عجیب وغریب داستانیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس کا کبھی مرہٹوں کی پناہ میں آنا اور مرہٹوں کی آڑ میں فرانسیسیوں کا اپنا الوسیدھا کرنا اور بادشاہوں کا مرہٹوں کے اشاروں پر ناچنا، اور مسلمان ریاستوں کو برباد کرنا، کبھی انگریزوں کی پناہ میں جانا اور ملک وملت کا سودا کرنا۔ بادشاہ کو اپنے اپنے قابو میں رکھنے کے لئے فرانسیسیوں اور فرنگیوں کی آپس میں بھی سرد وگرم جنگ سلگتی بجھتی رہتی تھی۔ آخرالامر انگریز بادشاہ کو رام کرنے اور اپنی حفاظت میں آنے پر راضی کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس طرح ۱۸۰۳ء میں دلی میں انگریز اور مرہٹوں کی خونریز جنگیں ہوئیں۔ ان جنگوں میں انگریز جان توڑ کر لڑے اور جیت گئے اس طرح دارالسلطنت دلی مرکز حکومت بھی انگریز کے قبضہ اور تسلط میں آ گیا اور ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا کہ آئندہ ہندوستان کی وسیع وعریض سلطنت میں سیاہ وسفید کے مالک فرانسیسی یا مرہٹے نہ ہوں گے بلکہ اب فرنگی راج ہوگا۔ پورا ہندوستان برٹش ایمپائر کی نوآبادی بن گئی۔ انگریزوں نے تو اپنے تئیں ہندوستان کا مالک اسی دن سے سمجھ لیا تھا جب انہوں نے دلی میں مرہٹوں کو شکست دینے سے چند سال پہلے ۱۷۹۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی، مرہٹے اور نظام دکن غدار کی متحدہ فوج کے ذریعے میسور میں شیرِ میسور سلطان ٹیپو کو سازشوں اور غداریوں کے جال میں جکڑ کر شہید کروایا تھا۔

شاہ عالم حکومت مغلیہ کا بیڑہ غرق کر کے مرا تو اس کا بیٹا اکبر شاہ ثانی شاہ شطرنج بنا۔ ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۷ء تک اس کا دور ہے۔ اس کے بعد آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کا ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء تک کا زمانہ ہے اور اس بوڑھے کی قسمت میں اس بوڑھی اور نام کی سلطنت کا خاتمہ دیکھنا اور صدمے سہنا لکھا تھا۔ سو اس نے یہ بُرے دن دیکھے۔

زوال حکومت کے بعد علماء کا نصب العین اور تحریک استخلاص وطن

۱۸۰۳ء میں دلی میں مرہٹوں کو شکست دیکر ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندہ نے شاہ عالم ثانی سے زبردستی ملکی انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کا پروانہ لکھوا کر ملک میں اعلان کرا دیا۔

''خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، حکم کمپنی بہادر کا''

اس پر حساس اور دیندار مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی اپنے انتہا کو پہنچ گئی۔ علماء سے انہوں نے حکم

شرعی کے لئے رجوع کیا۔ اس موقعہ پر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہندوستان کے دارالحرب بن جانے کا فتویٰ دیا۔ ہند کی تحریک آزادی میں اس فتویٰ کے دوررس اثرات اور بڑی اہمیت ہے۔ اس فتویٰ نے آگے بڑی بڑی جہادی تحریکوں کی بنیاد رکھی، جیسے سید احمد شہید رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء وطن کی تحریک جہاد، علماء صادقپور کی تحریک جہاد وعزیمت، یاغستانی جہاد، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی، ریشمی خطوط کی تحریک۔ اس فتویٰ کو انگریز تجزیہ نگار ڈاکٹر ھنٹر نے بھی اپنی تصنیف ''دی انڈین مسلم'' میں نقل کیا ہے، فتویٰ یہ ہے۔

''جب کافر کسی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک اور ملحقہ اضلاع کے لئے یہ ناممکن ہو کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید باقی نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز یا ناجائز قرار دیں اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مالگذاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے اس امن وامان سے زندگی بسر نہ کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے کرتے تھے تو یہ ملک سیاسی اعتبار سے دارالحرب ہو جائے گا''

ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں:

''جوں جوں ہماری طاقت مضبوط ہوتی گئی علماء کے فتوؤں میں ہندوستان کا دارالحرب ہونا زیادہ نمایاں ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے بعد ان کے داماد مولانا عبدالحیٔ صاحب اپنے فتوے میں یہ حکم لگاتے ہیں کہ عیسائیوں کی سلطنت کلکتہ سے دہلی تک اور ہندوستان خاص سے ملحقہ یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے تک سب دارالحرب ہے'' (بحوالہ نقشِ حیات ج۲)

اس کے بعد تحریک استخلاص وطن کے شروع کرنے کی بھی خاندان ولی اللّٰہی کو ہی سعادت نصیب ہوئی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رہنمائی ونگرانی میں حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقائے خاص حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ کی تحریک اصلاح وتبلیغ اور تحریک جہاد شروع ہوئی۔ اس تحریک کے اثرات مسلمانوں کی اصلاح وتبلیغ اور جہاد ہر دو میدانوں میں کتنے وسیع الجہت اور کتنے دوررس مرتب ہوئے نیز یہ قدوسی تحریک کتنی پاکیزہ اور مقدس تھی اور کیسے کیسے اللہ والے اس میں

شامل تھے اس کی تفصیل سید احمد شہید صاحب کی تحریک اور سوانح پر لکھی جانے والی دسیوں کتابوں میں شرح وبسط سے محفوظ ہے، کیا آج کا مسلمان نوجوان اپنی ماضی کی اس تاریخِ عزیمت سے واقف ہونے کی ضرورت محسوس کرے گا؟۔ ایک صاحبِ قلم کے بقول سید احمد شہید رحمہ اللہ کی جماعت اور ان کی تحریک ہندوستان کی کئی سو سالہ اسلامی عہد میں سب سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال، ایثار، مجاہدوں اور قربانیوں کے مشابہ ہے کہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں اس تحریک نے ایک طرف ہند کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جہالت، بدعات، بے دینی کے خلاف تبلیغ کی، مسلمانوں کی اصلاح کی اور ان کو دین پر چلنے پر تیار کیا، دوسری طرف کفر سے ٹکر لے کر عزیمت کی داستانیں ثبت کردیں لیکن قوم کی قسمت میں ابھی بہت سی ذلتیں اور خواریاں لکھی تھیں قسمت اس قوم سے عرصہ ہوا روٹھ چکی تھی اس لئے اس تحریک کو جوان کو نئی زندگی دینے، غلامی سے نجات دلانے کے لئے اٹھی تھی اس کی انہوں نے یہ قدر کی کہ اس کو ٹھکانے لگانے اور مٹانے میں غیروں کے دست وبازو بنے۔ بالاکوٹ میں سید احمد شہید اور دیگر رفقاء کی شہادت کے بعد بھی یہ تحریک دبی نہیں بلکہ یاغستانی جہاد کے عنوان سے چلتی رہی۔ تاریخ نے سید صاحب کے غازیوں کی یاغستانی جدوجہد اور قربانیوں کو محفوظ رکھا ہے۔ اس یاغستانی جہاد کی اپنی ایک مستقل تاریخ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بہت منظّم ومربوط تحریک تھی تا آنکہ ۱۸۵۷ء کے جہاد کا راستہ اسی تحریک نے ہموار کیا۔ پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی اپنی ایک مفصل تاریخ ہے جس میں علماء و مجاہدین اور دیندار مسلمانوں کی لازوال قربانیاں ہیں لیکن اپنوں کی کرم فرمائیاں یہاں بھی رکاوٹ بنیں اور تقدیر کا فیصلہ بھی ابھی کچھ اور تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندوستانی قوم (بشمول ہندو اور مسلمان) نے بڑی قربانیاں دیں، سرفروشی دکھائی، کالی بھیڑیں اور غدار لوگ ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی غلامی اور بدبختی کی سیاہ رات انہی کمینہ خصلت لوگوں کی خودغرضیوں اور ذاتی مفاد کے لئے انگریز کا آلہ کار اور جاسوس بننے کی وجہ سے طویل سے طویل تر ہوتی رہی۔ اس جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے پھر جن درندگیوں کا مظاہرہ کیا وہ انسانیت کے لئے انتہائی باعث شرم ہیں سور کی چربیوں میں سی کر آزادی کے متوالوں کو، علماء اسلام کو جلانا، عبور بدریائے شور کرنا، توپوں سے باندھ کر اڑانا، تمام راستوں پر پھانسی گھاٹ بنا بنا کر سر عام پھانسیاں دینا یہ سب کچھ انگریزوں نے کیا۔

اسپنسر وال پول کے بقول۔ وحشی نادر شاہ نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی جو فتح دلی کے بعد انگریزوں نے جائز

رکھی۔اس جنگ کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کا معاشی، تمدنی، علمی ہر طرح سے ناطقہ بند کیا اور ان پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا یہ بڑا تاریک اور اندوہناک زمانہ تھا۔ دین اسلام کو مٹانے کے لئے انگریز آخری حد تک گیا، پھر اس کے مقابلے میں مسلمانان ہند، علماء اسلام کے دفاعی اقدامات، تعلیمی و تبلیغی کوششیں، مدارس و جامعات کسمپرسی کے حالات میں قائم کر کے دین اسلام کی بقاء کا سامان کرنا، یہ سب ہماری تاریخ کے روشن باب ہیں جن سے نئی نسل بالعموم ناشنا سا ہے اور ملک پر مسلط سیکولر طبقے جو ماضی کے انہی طبقوں کی وارث اور ذریت ہیں جنہوں نے غداریاں کر کے، ملت و مذہب فروشی کر کے اور انگریز کی غلامی کو تمغہ فخر کے طور پر اختیار کر کے قوم کے مصائب میں اضافہ کیا تھا۔ یہ لوگ لارڈ میکالے کے اس خواب کی تعبیر ہیں کہ ہمیں ہندوستان میں ایسے لوگ چاہئیں جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندی ہوں لیکن سوچ وفکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔ یہ سیکولر طبقے تاریخ کو مسخ کر کے قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسلامی اقدار و روایات اور مسلمانوں کے روشن کارناموں کا نقش نئی نسل کے دماغ سے کھرچ کھرچ کر مٹانا چاہتے ہیں، سکولوں اور عصری تعلیم گاہوں میں مسخ شدہ متعصّبانہ محدود سی تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔

اس بیسویں صدی میں وطن کی آزادی کے لئے جو کوششیں اہل ہند خصوصاً مسلمانوں اور علماء اسلام کی طرف سے ہوئیں انمیں ریشمی رومال کی حضرت شیخ الھند کی تحریک، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات بہت موثر تحریکیں تھیں، اور پھر اتفاق سے بیسویں صدی میں دو عالمگیر جنگوں نے دنیا کے جغرافئے، سیاست اور نظام تمدن کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ خصوصاً دوسری جنگ عظیم نے تو انگریز کی سپر پاور کو زیرو پاور بنا کر چھوڑا اور دنیا میں نئے سامراج ابھرنے لگے۔ ان سب تحریکوں اور عالمگیر جنگوں کے نتیجے میں انگریز نو آبادیوں سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوا، ہندوستان سے بوریا بستر گول کرنے پر مجبور ہوا۔ ان حالات میں ۱۹۴۰ء کے عشرے میں جبکہ انگریز کا جانا روز بروز واضح ہوتا جا رہا تھا مسلمانوں نے الگ وطن کے حصول کے لئے ایک نئی تحریک مسلم لیگ کی قیادت میں شروع کی۔ چونکہ اس تحریک کو سیاسی طور پر خالص دینی بنیادوں پر پروان چڑھایا گیا تھا اور اسلامی نظام کے اجراء کے لئے الگ اسٹیٹ کی ضرورت مسلمانوں پر واضح کی گئی تھی اس لئے اکثر مسلمان دل و جان سے اس تحریک سے وابستہ ہو گئے اور علماء نے شرعی فریضہ کے طور پر اس تحریک کو کامیاب بنایا۔ یہ بات تاریخی حقیقت ہے کہ علماء مذہبی ذمہ داری کے تحت اس کو سہارا نہ دیتے تو یہ اس شکل میں کامیاب نہ ہو پاتی۔ ان قربانیوں اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے

میں انگریز ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے پر مجبور ہوا اور پاکستان ہندوستان دو الگ الگ حکومتیں بن گئیں۔ مسلم لیگ کی اصل قیادت محمد علی جناح مرحوم اور لیاقت علی خان مرحوم وغیرہ بہت جلد تقسیم ملک کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے پھر مسلم لیگ کے روپ میں جو کالے انگریز، جاگیردار، بیوروکریٹ، فوجی جرنیل اس ملک پر مسلط ہوئے انہوں نے قیامِ پاکستان کے مقاصد کو پس پشت ڈال کر سیکولر راستوں پر اس ملک کو ڈال دیا اور علماء کو دیوار سے لگانے کی کوشش کی جن کی قربانیوں اور جدوجہد سے الگ وطن کا حصول ممکن ہوا تھا۔ آج یوم آزادی پر میڈیا اور دیگر ذرائع سے آزادی وطن کا جو پس منظر پیش کیا جاتا ہے اس میں مسلم لیگ کی مخصوص قیادت کے علاوہ ان علماء حق اور دیگر دیندار طبقوں کا کہیں بھولے سے بھی ذکر نہیں آنے دیا جاتا جو اس تحریک میں جان ڈالنے والے تھے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے والے تھے۔ نیز وطن کی آزادی کی جدوجہد اور قربانیوں کی تاریخ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان سے نہیں بلکہ ۱۸۰۶ء کے بعد شاہ عبدالعزیز کے فتوے اور سید احمد شہید کی تحریک جہاد و اصلاح سے شروع ہوتی ہے۔ اس طرح استخلاص وطن کی یہ جدوجہد کم از کم ڈیڑھ سو سالہ زمانے کو محیط ہے بلکہ کچھ اور پیچھے جائیں تو ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ سراج الدولہ اور ۱۷۹۹ء میں ٹیپو شہید کی جنگ میسور آزادی وطن کی بالکل ابتدائی کڑیاں ہیں۔ اس پورے عرصے میں آزادی کے متوالوں، مجاہدینِ اسلام، علماء حق، اور مسلمان عوام کی قربانیوں کی ایک مسلسل اور لازوال تاریخ ہے، ملک کے صاحب اقتدار مغربیت پسند، سیکولر طبقے اس ساری تاریخ کو قصداً فراموش کرا کر قوم کو کن راستوں پر گامزن کرنا چاہتے ہیں؟ قوم کو ان چیزوں کا سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہیئے۔ اپنی حد تک کم از کم اپنے ماضی کی پوری تاریخ ہند کا مطالعہ کرنا چاہئے اور آزادی کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کی قدر کرنی چاہئے اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ بڑا تقاضہ یہی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام ہو کم از کم اپنے جسم پر اپنے وجود پر، اپنے اھل وعیال پر خداوندی احکام نافذ کرنے چاہئیں، اسلام کے مطالبات کی بجاآوری کو اپنا رات دن کا مشغلہ بنانا چاہئے آتش بازی کر کے بھنگڑے ڈال کر، خرمستیاں کر کے، پاجامے سے باہر نکل کر بے شرمیوں اور کمینہ پن کا مظاہرہ کرنا کم از کم اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی آزادی اور لاکھوں شہیدوں کی قربانی دیکر حاصل ہونے والے وطن کا جشن منانے کے لئے زیب نہیں دیتا۔ ؎

اندکے از غم دل گفتم و بسیار ترسیدم — کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

بسلسلہ: فقہی مسائل	مفتی محمد امجد حسین

پاکی ناپاکی کے مسائل

نجاست غلیظہ کون کونسی ہیں؟

(۱)...... جاندار چیزوں میں سور (خنزیر) نجس العین ہے یعنی سارے کا سارا، سر سے پاؤں تک، کھال، بال سمیت نجس ہے زندہ ہو یا مردہ۔ جبکہ دوسرے حرام جانوروں کا یہ حال نہیں کہ وہ پورے کے پورے نجس و ناپاک ہوں کیونکہ کھال مردار جانوروں کی بھی دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے (یعنی کھال دھوپ میں خشک کرلی جائے، یا نمک لگا لیا جائے یا اور مختلف طریقوں سے کھال سے آلائشیں دور کر لی جائیں تو یہی دباغت دینا ہے، شرعی طریقہ پر مردار جانور کو ذبح کرنے سے بھی اس کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور پاک اور حلال ہونا دو الگ الگ چیزیں ہیں) اسی طرح سینگ، بال، دانت، کھر، ہڈی ان چیزوں میں چونکہ خون سرایت کیے ہوئے نہیں ہوتا اس لئے یہ اجزاء مردار جانوروں کی بھی پاک ہوتے ہیں اور مردار جانور شرعی طریقہ سے ذبح کیا جائے تو کھال کے علاوہ اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے یعنی یہ گوشت ہاتھ میں لے لیا جائے یا جسم کے کسی حصے کے ساتھ لگ گیا یا مثلاً فرض کریں نمازی نے یہ گوشت، ہڈی، بال وغیرہ اپنے پاس رکھ کر (جیب وغیرہ میں) نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ کپڑے یا جسم کے ساتھ یہ چیزیں لگنے سے کپڑا یا جسم ناپاک نہ ہوگا اسی طرح کنویں میں یا ٹھہرے ہوئے تھوڑے پانی میں یہ دباغت شدہ گوشت، کھال یا بال، سینگ، ہڈی وغیرہ گر جائیں تو کنواں اور یہ کھڑا پانی ناپاک نہ ہوگا بشرطیکہ ہڈی وغیرہ پر اس کی چربی کی آلائش وغیرہ نہ ہو اور خنزیر کا کوئی بھی جزء یا مردار جانوروں کا لاشہ (مردہ جسم) کنویں وغیرہ میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور ٹھہرے ہوئے تھوڑے پانی سے مراد 10×10 مربع شرعی گز سے کم پانی حوض، تالاب وغیرہ کا مراد ہے۔ اس کو ماء قلیل کہتے ہیں اس پیمائش سے ٹھہرا ہوا پانی بڑھ جائے تو وہ ماء کثیر کہلاتا ہے جس کا شرعی حکم وہی ہے جو بہتے ہوئے جاری پانی کا ہے کہ بہتے ہوئے پانی میں نجاست گر جائے تو وہ اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست کا اثر (یعنی رنگ، بو، مزہ میں سے کوئی) پانی میں ظاہر نہ ہو جائے۔ اور خنزیر چونکہ نجس العین ہے اس کے جسم کا کوئی بھی جزء، بال، دانت وغیرہ جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی۔ (جبکہ نجاست غلیظہ کی مقدار معافی سے

Idara Ghufran

زیادہ ہو) پس خلاصہ یہ کہ خنزیر کا تو پورا جسم پورا وجود نجس العین ہے اور باقی حرام جانوروں کے وہ اجزاء جن میں خون سرایت نہیں کرتا، بال، ہڈی، ناخن، دانت، کھُر وغیر (اور اس طرح شرعی طریقہ پر ذبح کرنے سے کھال اور گوشت بھی) نجس نہیں ہیں۔

اس طرح جن جاندار چیزوں میں بہتا ہوا خون ہے (یعنی انسان اور حیوان دونوں) وہ مرنے کے بعد نجس ہو جاتی ہیں (ہاں دریائی جاندار مرنے سے ان کا لاشہ نجس نہیں ہوتا) ان کا مردار لاشہ ناپاک ہوتا ہے، کنویں یا ماءِ قلیل میں ان کی لاش گر جائے تو پانی نجس ہو جائے گا، خواہ لاش پر کوئی ظاہری ناپاکی نہ ہو، البتہ جو مسلمان شہید ہو جائے تو اس کا لاشہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اگر شہید کی میت کنویں میں یا ماء قلیل میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا (جبکہ خون جسم سے بہہ کر پانی میں مل نہ جائے کیونکہ یہ خون نجس ہے)۔

(۲)......جن جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے ان کا پسینہ اور لعاب دہن (منہ کی جھاگ، تھوک) بھی ناپاک ہے، اور رہا یہ سوال کہ جھوٹا کن جانوروں کا نجس و ناپاک ہے تو مسلمانو! جھوٹا خنزیر کا، کتے کا، اور سب درندوں (یعنی چیرنے پھاڑنے والے جانوروں) شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ کا ناپاک ہے اور جھوٹا تو جانتے ہی ہوں گے کہ جس برتن یا چیز میں یہ درندے منہ مار لیں اور ان کے منہ کی تری اس میں لگ جائے (یعنی لعاب دہن) یا ماء قلیل میں منہ ڈال کر پانی پی لیں (یا اور کوئی سیال چیز پی لیں) تو یہ باقی پانی وغیرہ جھوٹا ہو کر نجس ہو جائے گا، اس طرح ان درندوں کا پسینہ پانی وغیرہ میں پڑ جائے یا آدمی کے جسم یا کپڑے کے ساتھ لگ جائے یا کسی اور چیز کے ساتھ لگ جائے تو یہ پانی (ماء قلیل) جسم کا یہ حصہ، کپڑے کا یہ حصہ، اور یہ چیز جس کے ساتھ پسینہ لگا ہے سب ناپاک ہو جائیں گے، دھو کر پاک کرنے پڑیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ درندے کا جسم اگر خشک ہو پسینہ اس پر نہ ہو تو اس کے خشک جسم سے آدمی کا جسم یا کپڑا یا کوئی اور چیز مس ہو جائے، چھو جائے، یا یہ درندہ ٹھہرے ہوئے پانی (ماء قلیل) میں اتر جائے یا گر جائے یا کنویں میں گر جائے تو آدمی کا جسم، کپڑا یا یہ پانی، کنواں ناپاک نہ ہوں گے بشرطیکہ پسینے کے ساتھ ساتھ ان کے جسم پر کوئی اور نجاست بھی نہ لگی ہوئی ہو (جیسے جانوروں کا پیشاب، گوبر، لید یا اس کی چھینٹیں پیشاب کرتے وقت ان کے جسم پر لگ جاتی ہیں)

(جاری ہے......)

بسلسلہ اصلاحِ معاملہ

مفتی محمد امجد حسین

معیشت اور تقسیمِ دولت کا فطری اسلامی نظام (قسط۹)

نظامِ تقسیمِ دولت میں زکوٰۃ وصدقات کی اہمیت

زراعت وزمینوں کے احکام کے بعد اصل بحث تجارت وبیوپار کے اقسام واحکام کی ہے،لیکن پیچھے زمین کے پیداوار کے ذیل میں عشر وخراج کے احکام کا بھی مختصر تذکرہ ہوا ہے،اس مناسبت سے یہاں زکوٰۃ وصدقات کے اس پہلو کو ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ وصدقات جو مستقل مالی عبادتیں ہیں یہ عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی کفالت کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہیں،اس طرح یہ تقسیمِ دولت کے فطری نظام کی ایک اہم کڑی اور جز قرار پاتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ

قرآن مجید کے جو بنیادی موضوعات ہیں جن کا مختلف پیرایوں میں مختلف پہلوؤں،مختلف اسالیب وانداز میں جابجا پورے قرآن میں بیان ہوا ہے، ان موضوعات میں جہاں ایک طرف توحید،رسالت اور قیامت سرِ فہرست نظر آتے ہیں،تو ان کے پہلو بہ پہلو پورے قرآن میں انفاق فی سبیل اللہ کا موضوع بھی پھیلا ہوا ہے،انفاق فی سبیل اللہ قرآن مجید ہی کی اختیار فرمودہ اصطلاح ہے،جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ،اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی مختلف اموال وپیداواروں کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف صورتیں بنائی ہیں،اور پھر اس میں لازم وغیرلازم مقدار اور واجب وغیرواجب (یعنی نفلی واستحبابی) درجے قائم فرمائے ہیں،اور بعض انفاق فی سبیل اللہ کی مدیں ریاست اور اسلامی حکومت کے متعلق کی ہیں کہ ریاست یہ انفاقات وصدقات شریعت کی طرف سے مقررہ قانونی ضابطے اور طریقے کے مطابق وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے اور پھر اجتماعی ،ملی اور رفاہی ضروریات میں خرچ کرے،جبکہ اس کے علاوہ باقی انفاق وصدقات کی ادائیگی اوران کو مقررہ موقع ومصرف تک پہنچانے کی ذمہ داری خود مکلفین اور احکامِ شرع میں مخاطبین پر ڈال دی کہ وہ رضا کارانہ طور پر امانت ودیانت کو ملحوظ رکھ کر یہ صدقات ادا کرے،سورہ توبہ میں ارشادِ باری ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ (التوبة آیت ۱۰۳)

نبی علیہ السلام کو خطاب ہے کہ ان (مسلمانوں) کے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو ستھرا اور پاک کر دیجئے، اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے محققین نے ایک تو اس مسئلہ سے بحث کی ہے کہ بعض اموال کی زکوٰۃ اور حقِ واجب ریاست اور مسلمانوں کی حکومت وصول کرے گی (کمافی احکام القرآن للجصاص والقرطبی والمظہری وغیرہم) آگے اس کی مختصر بحث آ رہی ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ زکوٰۃ دینے سے باقی مال پاک ہوتا ہے، اس میں برکت اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل ہوتی ہے، حدیث شریف میں اسی وجہ سے زکوٰۃ کو مال کا میل قرار دیا ہے، زکوٰۃ نہ دینے سے سارا مال آلودہ اور بے برکت ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس مال کے ساتھ شامل نہیں ہوتی۔

تیسری بات اس آیت سے خود زکوٰۃ دینے والے کے حق میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ زکوٰۃ دینے سے آدمی کے باطن کا تزکیہ اور دل کی صفائی بھی ہوتی ہے، مال کی حد سے بڑھی ہوئی حرص اور محبت، لالچ وغیرہ بری خصلتیں مضمحل ہوتی ہیں، معاشرے کے محروم اور فاقہ مست افراد اور طبقوں کے ساتھ ہمدردی، غمخواری، مواساۃ اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور خود غریبوں کے دل مالداروں کے تشکر و امتنان سے بھر جاتے ہیں، مراعات یافتہ اور محروم طبقات میں احساسِ برتری اور احساسِ محرومی کی خلیج پیدا نہیں ہوتی، اگر پیدا ہو گئی ہو تو انفاق کے اس عمل سے اس کے پاٹنے میں مدد ملتی ہے، اس طرح انفاق فی سبیل اللہ سے جہاں ایک طرف عبادت کا فریضہ ادا ہوتا ہے جو مسلمان اپنے دین کے مطالبے کو پورا کر کے اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے تو دوسری طرف اس عبادت کی بجا آوری کے نتیجے میں معاشرے میں باہم کفالت و تعاون کا خود کار نظام وجود میں آتا ہے اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کی بجائے اوپر سے نیچے کو بہتی رہتی ہے۔

حدیث شریف میں زکوٰۃ کا یہ فلسفہ کہ یہ تقسیمِ دولت کے نظام کا حصہ ہے، اس موقع پر ذکر ہوا ہے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ مبلغ، داعی اور عامل بنا کر یمن بھیج رہے تھے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے ان کو جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ:

فاعلمهم ان الله افترض عليهم الصدقة تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم

(متفق علیه بحواله مشكوٰة)

ترجمہ: ''ان لوگوں کو یہ بھی بتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے (مسلمانوں کے) مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے (مسلمانوں کے) فقراء پر لوٹائی جائے گی''

اس لحاظ سے انفاق کا یہ نظام جو اسلام نے معاشرے میں دولت پھیلانے اور معاشی کفالت کا بندوبست کرنے کے ستونوں پر قائم کیا ہے، گزشتہ شریعتوں کے مقابلہ میں انقلابی اور آفاقی نظام ہے، کیونکہ گزشتہ شریعتوں میں صدقات وخیرات انسانوں کے استعمال میں نہیں آتے تھے بلکہ قربان گاہ میں ان کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا، اور آسمان سے آگ آکر ان کو جلا ڈالتی تھی، حضور علیہ السلام کی شریعت میں جو یُسر اور سہولتیں رکھی گئی ہیں اور ایک ایک حکم میں دین وآخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی زندگی بنانے اور سنوارنے کا بھی جو سامان فراہم کیا گیا ہے، زکوٰۃ کے اس نظام سے اس کا کچھ اندازہ ہوتا ہے (یعنی عبادت اور اجتماعی معاشی کفالت دونوں جمع ہیں) باقی احکام میں بھی یہی حال ہے کہ عبادت کے ساتھ دنیا کی بھلائی اور بہتری اور مادی منفعتیں بھی جمع فرمائی گئی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض دفعہ یہ منفعتیں خفی ہوتی ہیں ان کی تشخیص بغیر ایمانی بصیرت کے نہیں ہوسکتی ہے۔　(جاری ہے......)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۹۷ اخبارِ ادارہ﴾

اور باہم مذاکرہ ومباحثہ ہوا، آخرالامر مجلس اس نتیجہ پر پہنچی کہ موجودہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے رمضان اور عیدین وغیرہ کے فیصلوں کی حیثیت قضائے قاضی کی ہے، جو تمام اہلِ ملک پر نافذ اور واجب العمل ہے، موجودہ صورتحال میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلے سے انحراف کرنا یا اس کے متوازی کمیٹیاں قائم کرنا جائز نہیں۔

☐......منگل ۱۵/رجب کو حضرت مولانا نعمان اللہ صاحب دامت برکاتہم (مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ تھاکوٹ، سرحد) ادارہ میں تشریف لائے، حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ومجالست ہوئی، عصر کے قریب آپ تشریف لے گئے۔

☐......بدھ ۱۸/۲۵/ جمادی الاخریٰ و۲/۹/۱۶/ رجب بعد ظہر طلبہ کرام کے لئے ہفتہ وار اصلاحی بیانات کی مجالس منعقد ہوتی رہیں۔

☐......بدھ ۹/رجب کو مفتی محمد یونس صاحب دامت برکاتہم (معین مفتی ومعلم ادارہ غفران) دو یوم کی رخصت پر بمع اہلِ خانہ اپنے آبائی علاقہ تشریف لے گئے۔

☐......جمعرات ۲۶/ جمادی الاخریٰ مولانا طارق محمود صاحب دو یوم کی رخصت پر بمع اہلِ خانہ اپنے وطن تشریف لے گئے

☐......جمعرات ۳/رجب کو شعبہ جات ناظرہ وقاعدہ بنین وبنات میں ایک ہفتہ کی چھٹیاں دی گئیں۔

☐......بدھ ۱۶/رجب حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم اسلام آباد حضرت اقدس نواب صاحب دامت برکاتہم کی مجلس میں تشریف لے گئے۔

☐......جمعرات ۱۷/رجب بندہ امجد کا ایک ضرورت سے دو یوم کے لئے مانسہرہ جانا ہوا۔

بسلسلہ : آدابُ المعاشرت

مفتی محمد رضوان

اولاد کی تربیت کے آداب (قسط۴)

بچہ کی والدین کے معاملہ میں اخلاقی تربیت

اسلام نے بچہ کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی سخت تاکید کی ہے۔ والدین ہی اولاد کی پیدائش کا ظاہری درجہ میں سبب ہیں، اور والدین ہی اپنی اولاد کو پیدا ہونے کے بعد سے لیکر سمجھدار اور خودمختار ہونے تک نہ جانی کتنی مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور والدین کی عظمت واحترام بجالانے کی اہمیت شروع ہی سے بچہ کے دل ودماغ میں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی عظمت واحترام جہاں ایک طرف اولاد کی دینی ضرورت اور شرعی تقاضہ ہے، دوسری طرف دنیا کے اعتبار سے یہ خود بچہ کی تربیت اور اس کے اچھے مستقبل کی ضمانت بھی ہے، اور خود گھر کے ماحول کو پرسکون بنانے اور اچھا معاشرہ تشکیل پانے کی دلیل بھی۔ اسلامی نکتۂ نظر سے والدین کی جو حیثیت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ تجربہ ومشاہدہ ہے کہ جو اولاد اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو بھی فرمانبردار اولاد کی نعمت سے نوازتے ہیں، اور والدین کی خدمت واطاعت سے زندگی میں برکت ہوتی ہے، والدین کو خوش کرنے کے نتیجہ میں ان کے دل سے اولاد کے حق میں نیک دعائیں نکلتی ہیں، جو زندگی کے کٹھن موقعوں پر کام آتی ہیں۔

جس گھر میں بچے والدین کے فرمانبردار ہوں اس گھر کا ماحول بابرکت اور پُرسکون ہوتا ہے، اتحاد واتفاق کی فضاء قائم رہتی ہے۔ والدین کے لئے فرمانبردار اولاد بڑھاپے میں سہارا بنتی ہے، مصیبت میں کام دیتی اور اس کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی اور دُکھ درد میں ساتھ دیتی ہے۔ غرضیکہ اپنی حسبِ وسعت جانی و مالی جیسی بھی والدین کو ضرورت ہو اس کے مطابق خدمت کرتی ہے۔ اور والدین کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی ان کے لئے نیک اعمال کی صورت میں ایصالِ ثواب کا سبب بنتی ہے۔ غرضیکہ والدین کی فرمانبرداری اور حسنِ سلوک کے اتنے دنیاوی، اور اخروی فضائل وفوائد ہیں جن کو ہم مختصر وقت میں

اپنے حساب وشمار میں نہیں لا سکتے۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ شروع ہی سے بچہ کو والدین کی عظمت، ان کے درجے، ان کے احسانات، اوران کے ساتھ حسنِ سلوک کی ضرورت واہمیت کا سبق پڑھایا جائے اوراس کے فضائل وفوائد بتلائے جائیں اور پھر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے طریقے سکھلائے جائیں۔ بچہ کو بتلایا جائے کہ وہ ایک دن اس دنیا میں نہ تھا، اس کا کوئی نام ونشان اور اتہ پتہ نہ تھا، کوئی نام لینے والا نہ تھا، والدین کی کوششوں اور محنتوں سے وہ دنیا میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کی دعاؤں سے اس کو دنیا میں بھیجا۔ پھر دنیا میں آنے کے بعد وہ بالکل محتاج تھا، نہ خود سے کھا سکتا تھا، نہ پی سکتا تھا، نہ چل سکتا تھا، نہ پھر سکتا تھا، نہ بول سکتا تھا، نہ خود سے پیشاب پاخانہ کر سکتا تھا، نہ گرمی سردی سے حفاظت کر سکتا تھا، نہ اچھے بُرے کی تمیز تھی، نہ اپنے اور پرائے کا پتہ تھا، نہ گھر اور باہر کا علم تھا، غرضیکہ ان سب چیزوں سے وہ بالکل بے خبر اور محتاج تھا۔ اگر والدین اس کی مدد اور خدمت نہ کرتے اوراس پر خاص توجہ نہ کرتے تو آج وہ اس قابل نہ ہوتا جس قابل کہ وہ ہے۔ اسے بولنے، چلنے، پھرنے، کھانے پینے وغیرہ کی جو نعمتیں آج میسر ہیں وہ سب اس کے والدین کی کوششوں، محنتوں، قربانیوں اور نیک دعاؤں کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اوران کی خدمت اور محبتوں کا پھل ہے۔

اگر والدین ایسا نہ کرتے تو وہ اس مقام تک نہ پہنچ سکتا تھا، جس مقام پر وہ آج ہے، بچہ کو یہ باور کرایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کا بہت بڑا حق رکھا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو جوڑ دیا ہے۔ بچہ کو یہ سبق پڑھایا جائے کہ والدین کے سامنے اونچی آواز سے بولنا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس لئے وہ والدین کے سامنے پست آواز سے بات کیا کرے۔

والدین کی بات نہ ماننے اوراپنی من مانی اور ہٹ دھرمی کرنے کی برائی اور نقصان سے بچہ کو آگاہ کیا جائے اوراسے بتلایا جائے کہ وہ ابھی بچہ ہے، اس کی عقل کمزور اور ناقص ہے، اوراسے ابھی اچھے و برے کی پوری طرح تمیز نہیں، جبکہ والدین کی عقل اس کے مقابلہ میں پختہ ہے اور وہ ان سب چیزوں کے تجربات سے گزر کر ہی بڑے ہوئے ہیں، ان کو نفع ونقصان اوراچھے و برے کا زیادہ پتہ ہے، لہٰذا بچہ کو والدین کی بات ماننے میں ہی ہر طرح کی خیر ہے۔

اوراس طرح وقتاً فوقتاً بچہ کو موقع محل کی مناسبت سے والدین کے ادب واحترام اوران کی عظمت واطاعت کا سبق دیا جاتا رہے۔ (جاری ہے……)

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان

مکتوباتِ مسیحُ الامت (پندرہویں قسط)

(بنام محمد رضوان)

''مسیحُ الامت حضرت مولانا محمد مسیحُ اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کی وہ مراسلت جو مفتی محمد رضوان صاحب کے ساتھ ہوئی، ماہنامہ ''التبلیغ'' میں یہ مراسلت قسط وار شائع کی جارہی ہے''

عرض...... بندہ خاکسار کے لئے علاوہ نوافل محدودہ کے مزید نوافل مناسب ہیں کہ نہیں یا مزید نفلوں کے بجائے ذکر ہو اور ذکر مناسب ہو تو چلتے پھرتے کھڑے بیٹھے ہوئے ذکر کرنے کے علاوہ کچھ ذکر خصوصی طور پر یکسو ہو کر جہر خفی کے طور پر بھی ہو یا نہیں۔

ارشاد......نوافل تو معلوم ہیں باوقاتِ صلوٰۃ نوافلِ معلوم اور اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد۔ تہجد عملاً گویا بطریقِ فرض بعقیدۂ نفل، بذوق ذکر خواہ نفی واثبات یا ذکر اسمِ ذات یکضربی بضربِ خفیف، بجہرِ خفیف۔ [۱]

عرض...... بندہ نے مراقبۂ حق (احسان) مراقبۂ موت ومحاسبۂ نفس بعد عشاء قبل النوم تینوں پر عملدرآمد شروع کیا ہے، مراقبۂ حق (احسان) سے قلب میں بشاشت، جلاء اور نور ایک قسم کا محسوس ہوا، اور ترک ہونے پر ظلمت، پژمردگی محسوس ہوئی لیکن مذکورہ مراقبات کے بعد ذکر کرنے کا تقاضا ہوتا ہے۔

ارشاد......دونوں اَنفع واَحسن۔

عرض......بکثرت خلوت کے باوجود بعض اوقات عدمِ خشوع یا قلتِ خشوع محسوس ہوتا ہے اور طبیعت میں انتشار رہتا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوتِ ظاہری اور جسمانی تو ہے، مگر قلبی نہیں۔ مزیداری

---

[۱] نفل ومستحب عمل (مثلاً تہجد) کو اگر عقیدہ کے اعتبار سے ضروری سمجھ لیا جائے تو یہ التزامِ اعتقادی کہلاتا ہے، اور اگر اس کے ترک پر ملامت کی جائے تو یہ التزامِ عملی کہلاتا ہے، اور یہ دونوں التزام مالایلزم میں داخل ہو کر ممنوع ہیں؛ التزامِ اعتقادی زیادہ قبیح ہے اور التزامِ عملی اس سے کم درجے کا قبیح ہے، البتہ اگر صرف عملاً دوام اختیار کیا جائے، لیکن ترک پر ملامت نہ ہو تو پھر اس میں حرج نہیں (کذافی امداد الفتاویٰ جلد۵ صفحہ ۳۰۷، ۳۱۵، ۳۲۵)

اس لیے حضرت والا نے تہجد پر عملی دوام کے ساتھ اس کے التزام نہ کرنے کی قید لگائی۔

ضرب وجہر خود مقصود نہیں، بلکہ علاجاً اختیار کیے جاتے ہیں اور علاج کے درجے میں بھی خفیف جہر اور خفیف ضرب کافی ہے، ان میں غلو درست نہیں؛ اس کی تفصیل ہم نے الگ رسالے ''اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم'' میں بیان کردی ہے۔

Idara Ghufran

تو جب ہے کہ جب قالبی کے ساتھ قلبی بھی ہو ورنہ اس شعر کا مصداق ہوگا۔

؎ نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے دلوں میں ہیں ہر دم حسینوں کے میلے

ارشاد...... پیچھے مراقبات کا تأثر زیادتِ ذکر و یاد لکھا ہے، یہ اس کے خلاف لکھا۔

عرض...... دراصل مراقبات کا تأثر زیادتِ ذکر و یاد ہمہ وقت نہیں رہتا جو کہ مطلوب ہے اسی بناء پر عدمِ خشوع یا قلتِ خشوع کی شکایت ہے، اوقاتِ مختلفہ میں یہ حالاتِ مختلفہ پیش آتے ہیں۔

ارشاد...... یاد رکھیں کہ طاعت میں دوام مطلوب ہے اور ذکرِ لسانی و قلبی اکثر۔

عرض...... الحمد للہ تعالیٰ اس وقت یکسوئی کے ساتھ کتبِ تصوف کا مطالعہ اور اس کا اپنے احوال پر طلوع ہو رہا ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نئی زندگی شروع ہوگئی ہے۔

ارشاد...... نسبت کی۔

عرض...... مگر بسا اوقات ان جدید حالات اور نئی زندگی پر گہری نظر سے غور کرنے سے تحیر و تعجب سا ہوتا ہے ان حالات میں بندہ مشغول فی الذکر ہو جاتا ہے جس سے مذکورہ تعجب و تحیر ختم ہو جاتا ہے کیا یہ فعل مناسب ہے

ارشاد...... وہ حیرت، تحیر کیا ہوتا ہے؟

عرض...... وہ حیرت و تحیر ناقبل بیان معلوم ہوتا ہے اس شخص کی طرح جو اجنبی مقام پر پہنچ کر بنظرِ عمیق اشیائے مختلفہ میں غور کرنے سے حیرت میں جا پہنچتا ہے مگر محبوبہ کی یاد اس اثر کو ختم کر دیتی ہے اور دل و دماغ کو من الحیرت الی المحبت منتقل کر دیتی ہے کذا ابالی۔

ارشاد...... ہاں تحیر کا عالم بنظرِ محبوبِ تبسم بھی ہو جاتا ہے۔

عرض...... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جلوت سے وحشت ہوتی ہے کسی سے تکلم اور بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا اور خلوت کا تقاضا رہتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز گم ہوگئی ہے یا کوئی تنہائی میں بلا رہا ہے۔ خلوت میں لذت محسوس ہوتی ہے جلوت سے اس درجہ وحشت کہ ضروری امور بھی متأثر ہوں یہ کیوں ہے دوسری طرف **لا رھبانیۃ فی الاسلام** بھی کھٹکتا ہے، دل چاہتا ہے کہ کسی جگہ جنگل بیابان میں جا کر جہاں کسی انسان کی آواز نہ پہنچتی ہو عنقاء ہو جاؤں۔

ارشاد...... **حبب الیہ الخلاء**، مبارک، حسنِ خلق سب کے ساتھ یہ جامع ہے یہ **لا رھبانیۃ** الخ نہیں

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس　　ترتیب:مفتی محمد رضوان

❖ علماء کا ہاتھ سے تغییرِ منکر کرنا

آج کل فتنوں، ہنگامہ آرائیوں اور منکَرات کے عام ہونے کے دور میں بعض حضرات منکَرات کی تغییر کے لئے اپنے ہاتھ کی طاقت کے استعمال کو اہلِ علم یا عوام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور جو اس طرزِ عمل میں شریک نہ ہو اس کو گناہ گار خیال کرتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت کردی جائے۔

(۱)......حضور ﷺ نے ایک حدیث شریف میں منکَر پر نکیر یا منکَر کی تغییر کی قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان (الجامع الصغیر جلد۲ باب حرف المیم بحوالہ احمد فی مسندہ وصحیح مسلم ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ،تصحیح السیوطی صحیح)

ترجمہ:''جو شخص تم میں سے کسی منکَر (یعنی ناجائز) کام کو دیکھے، اُس کو چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے (منع کردے) اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو، تو پھر اپنے دل سے (اس کو بُرا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے'' (ترجمہ ختم)

ایک اور حدیث شریف میں نہی عن المنکر کے فریضے سے حسبِ قدرت سبکدوش ہونے کی مزید وضاحت کردی گئی ہے۔

(۲)......چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول:

من رأی منکرا فیغیرہ بیدہ فقد برئ ومن لم یستطع ان یغیرہ بیدہ فیغیرہ بلسانہ فقد برئ ومن لم یستطع ان یغیرہ بلسانہ فغیرہ بقلبہ فقد برئ، وذالک اضعف الایمان (سنن النسائی، باب تفاضل اھل الایمان)

ترجمہ:''میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا کہ:

جو شخص کسی منکر کو دیکھے، پھر اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، تو وہ بریٔ الذمہ ہوگیا، اور جو شخص اپنے ہاتھ سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنی زبان سے بدل دے (یعنی زبان

سے نہی عن المنکر کر دے) تو وہ بھی بریٔ الذمہ ہو گیا، اور جو شخص اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنے دل سے اس کو بدل دے (یعنی دل سے اس منکر کو برا اور غلط سمجھے) تو وہ بھی بریٔ الذمہ ہو گیا اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے'' (ترجمہ ختم)

فائدہ: حدیث شریف میں جو یہ فرمایا گیا کہ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ منکَر کے انکار کا اپنی ذات میں کمزور درجہ ہے، یہ مطلب نہیں کہ جو ہاتھ وزبان سے طاقت نہ رکھتا ہو، اس کے لیے اور اس کے حق میں بھی کمزور درجہ ہے، کیونکہ ایسے شخص کے حق میں تو اُس کی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے یہ کامل ہی درجہ ہے۔

چنانچہ علامہ سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اضعف الایمان'' المتعلقة بانکار المنکَر فی ذاتہٖ لابالنظر الیٰ غیر المستطیع فانهٗ بالنظر الیه هو تمام الوسع والطاقة ولیس علیه غیرہ (حاشیة السندی علی النسائی، باب تفاضل اهل الایمان)

ترجمہ: ''ایمان کا کمزور ہونا منکَر کے انکار کی ذات کے اعتبار سے ہے، نہ کہ غیر قادر کے اعتبار سے، اس لیے کہ غیر قادر کے اعتبار سے تو یہ کامل وسعت اور طاقت ہے، اور اس پر اس کے علاوہ کچھ اور لازم نہیں'' (ترجمہ ختم)

اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ اپنے ثمرہ کے اعتبار سے ایمان کا کمزور درجہ ہے، نہ یہ کہ نہی عن المنکر کرنے والے کے اعتبار سے ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''فبقلبہٖ'' معناہ فلیکرهه بقلبه ولیس ذالک بازالة وتغییر منه للمنکر ولکنهٗ هو الذی فی وسعهٖ وقولهٗ ﷺ ''وذالک اضعف الایمان'' معناہ واللہ اعلم اقلهٗ ثمرةً (شرح النووی، تتمة کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر الخ)

ترجمہ: ''اپنے دل سے منکَر کو بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے اپنے دل سے بُرا سمجھے اور یہ درحقیقت اس کی طرف سے منکَر کو بدلنا اور زائل کرنا نہیں ہے، لیکن کیونکہ اُس کی وسعت صرف اتنی ہی ہے (اس لیے اُس کے حق میں اس کو ازالہ وتغییر سے تعبیر کر دیا گیا ہے) اور حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنے ثمرے ونتیجے

کے اعتبار سے کمزور درجہ ہے، واللہ اعلم‘‘ (ترجمہ ختم)

اوراسی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ تغییر کی دو قسمیں ہیں ایک حسّی اور ایک معنوی، پہلی قسم کا تعلق تو ہاتھ سے اور بعض اوقات زبان سے ہوتا ہے، دوسری قسم کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔

(۳)......ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

بحسب المرء اذارأى منكر الايستطيع له تغييرا ان يعلم الله تعالىٰ انه منكر (الجامع الصغير للسيوطى، حديث نمبر ۳۱۲۴،عن البخارى فى التاريخ،والطبرانى فى الكبيرعن ابنِ مسعود، كذافى كنزالعمال ج۳،حديث نمبر ۵۵۵۳)

ترجمہ: ’’آدمی کی نہی عن المنکر کی ذمہ داری سے سکبدوش ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جب وہ کسی منکر کو دیکھے اور اس کو (اپنے ہاتھ اور زبان سے) بدلنے کی قدرت نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی نیت کے بارے میں یہ بات آجائے کہ وہ اس کو دل سے برا سمجھتا ہے (اور اگر زبان یا ہاتھ سے قدرت ہوگئی تو وہ حسبِ قدرت اس کا ازالہ کرے گا) [۱]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال العلماء الامر بالمعروف باليد على الامراء وباللسان على العلماء وبالقلب على الضعفاء يعنى عوام الناس (تفسير القرطبى ج۴،سوره آلِ عمران ، تحت آيت نمبر ۲۱،۲۲)

ترجمہ: ’’علماء نے فرمایا کہ امر بالمعروف ہاتھ کے ساتھ حکّام کے ذمہ ہے، اور زبان کے ساتھ علماء کے ذمہ ہے، اور دل کے ساتھ ضعفاء یعنی عوام الناس کے ذمہ ہے‘‘ (ترجمہ ختم)

اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فان غلب على ظنه ان تغييره بيده يسبب منكرااشد منه من قتله اوقتل غيره بسبب كف يده واقتصر على القول باللسان والوعظ والتخويف (شرح النووى تمه كتاب الايمان ،باب بيان كون النهى عن المنكرالخ)

---

[۱] اس حدیث کی تشریح میں امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(بحسب المرء)بسكون السين اى يكفيه فى الخروج عن عهدة الواجب والباء زائدة (اذارأى منكرا)يعنى علم به والحال انه (لايستطيع له تغييرا) بيده ولابلسانه(ان يعلم الله تعالىٰ)من نيته(انه له منكر)بقلبه لان ذالك مقدوره فيكره بقلبه ويعزم انه لو قدرعليه بقول اوفعل ازاله(فيض القديرللمناوى ج۳،حرف الباء الموحده،حديث نمبر ۳۱۲۴)

ترجمہ: ''اگر اس چیز کا غالب گمان ہو کہ ہاتھ سے منکَر کی تغییر کرنا اس سے زیادہ شدید منکَر مثلاً اس کے یا غیر کے قتل کا سبب بنے گا تو اپنے ہاتھ کو روک لے اور زبان سے کہنے اور وعظ ونصیحت کرنے اور عذاب وغیرہ کا خوف دلانے پر اکتفاء کرے'' (ترجمہ ختم)

اور اگر کوئی شخص اپنی ذات کے لیے مالی وجانی نقصان برداشت کر کے نہی عن المنکر کرے، تو اُس کو بعض حضرات نے عزیمت سے تعبیر کیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ مشقت اپنی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں وضاحت کے ساتھ تفصیل بیان فرمائی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں

وقد قال العلماء رحمة اللہ علیھم ان التغییر بالید متعین علی الامراء وباللسان متعین علی العلماء وبالقلب متعین علی غیرھما وماقالوہ ھو فی غالب الحال والا فقد نجد کثیرا منه یتعین تغییرہ بالید علی غیر الامیر وغیر العالم فضلا منھما واذاکان الامر کذالک فینقسم التغییر بالنسبة الی العالم قسمین قسم یتغیر بالید قسم یتغیر باللسان والشاذالنادر یتعین علیه بالقلب، وقد نقل ابن رشد رحمه اللہ تعالیٰ فی البیان والتحصیل ماھذا لفظه ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر واجب علی کل مسلم بثلاثة شروط، احدھا ان یکون عارفا بالمعروف والمنکر لانه ان لم یکن عارفا بھما لم یصح له امر ولانھی اذ لایأمن من ان ینھی عن المعروف ویامر بالمنکر لجھله بحکمھما وتمییز کل منھما عن الآخر ،والثانی ان لایؤدی انکارہ المنکر الی منکر اکبر منه مثل ان ینھاہ عن شرب الخمر فیؤول نھیه عن ذالک الی قتل نفس واما اشبه ذالک لانه اذالم یامن ذالک لم یجز له امرولانھی، والثالث ان یعلم اویغلب علی ظنه ان انکارہ المنکر مزیل له وان امرہ مؤثر ونافع لانه اذالم یعلم ذالک ولاغلب علی ظنه لم یجب علیه امرولا نھی، فالشرطان الاول والثانی مشترطان فی الجواز ،والشرط الثالث مشترط فی الوجوب فاذاعدم الشرط الاول والثانی لم یجز ان یامر ولاینھی، واذاعدم الشرط الثالث ووجد الشرط الاول والثانی جاز له ان یامر وینھی ولم یجب ذالک علیه (المدخل لابن الحاج ،الجزء الاول ص ۷۰، ۷۱)

ترجمہ: ''علمائے کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ منکَر کی تغییر ہاتھ کے ذریعہ سے متعین ہے حکّام پر، اور زبان کے ذریعے متعین ہے علماء پر، اور دل کے ذریعے ان دونوں کے علاوہ پر۔

اور علماء کی یہ بات اکثر حالات کے اعتبار سے ہے، ورنہ بسا اوقات ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ

ہاتھ کے ذریعہ تغییر غیر حاکم اور غیر عالم اور ان کے علاوہ پر بھی متعین ہو جاتی ہے، اور جب بات اس طریقہ سے ہے تو عالم کے اعتبار سے تغییر کی دو قسمیں ہو جائیں گی، ایک تغییر ہاتھ کے ساتھ اور ایک تغییر زبان کے ساتھ، اور جو صورت بہت کم پیش آتی ہے وہ دل کے ساتھ متعین ہو گی، اور علامہ ابنِ رشد رحمہ اللہ نے وضاحت اور جامعیت کے ساتھ جو نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

’’امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر تین شرائط کے ساتھ واجب ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ معروف اور منکر سے واقف ہو، کیونکہ اگر وہ ان دونوں سے واقف نہیں ہوگا، تو اس کا امر و نہی کرنا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس بات کا اطمینان نہیں ہوسکتا کہ وہ معروف سے منع کرنے لگے اور منکر کا حکم دینے لگے، ان سے اپنی جہالت اور ایک دوسرے سے تمیز نہ ہونے کی وجہ سے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا منکَر پر نکیر کرنا اس سے بڑے منکَر کی طرف نہ پہنچادے، مثلاً اگر وہ شراب کے پینے سے منع کرے تو اس کا اس سے منع کرنا کسی کے قتل کی طرف پہنچادے یا اسی طرح کی کوئی اور خرابی لازم آئے، کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے امر و نہی جائز نہیں ہوگی۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو اس بات کا یقین یا غالب گمان ہو کہ اس کے منکَر پر نکیر کرنے سے وہ منکَر ختم ہو جائے گا، اور اس کا معروف کا حکم دینا مؤثر اور نافع ہوگا، کیونکہ اگر اس بات کا یقین یا غالب گمان نہیں ہوگا تو اس پر امر و نہی واجب نہیں ہوگی۔

پس پہلی اور دوسری دونوں شرطیں تو جائز ہونے سے متعلق ہیں، اور تیسری شرط واجب ہونے سے متعلق ہے۔ لہٰذا جب پہلی اور دوسری شرط موجود نہ ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جائز ہی نہیں ہوگا، اور جب تیسری شرط موجود نہ ہو لیکن پہلی اور دوسری شرطیں موجود ہوں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر جائز ہوگا لیکن واجب نہیں ہوگا‘‘ (ترجمہ ختم)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے قدرت واستطاعت کی بہت عمدہ وضاحت فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں جس قدرت واستطاعت کا ذکر ہے اس سے لغوی قدرت مراد نہیں بلکہ شرعی قدرت مراد ہے، چنانچہ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’قدرت سے مطلقِ قدرت مرادنہیں ورنہ عدمِ استطاعت تغییر بالید کا کبھی تحقق ہی نہ ہوگا، کیونکہ مطلق قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے،خواہ اس کا انجام کچھ ہی ہو، بلکہ مراد وہ قدرت ہے جس کے استعمال پر کوئی فتنہ نا قابلِ برداشت مرتب نہ ہو،اورظاہر ہے کہ (عام حالات میں) رعیت کوایسی قدرت بادشاہ پرنہیں ہے‘‘ (امدادالفتاویٰ،جلد پنجم صفحہ۱۱۵،رسالہ ’’جزل الکلام فی عزل الامام‘‘)

ایک مقام پرفرماتے ہیں:

خوب سمجھ لیجئے! کہ قدرت کی دوقسمیں ہیں،ایک یہ کہ جوکام ہم کرنا چاہتے ہیں،اس پرتو ہم کوقدرت ہے لیکن اس کے کرلینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا،ان کے دفعہ کرنے پرقدرت نہیں ہے،دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہےاوراس کے کرلینے کے بعد جوخطرات پیش آئیں گےاُن کی مدافعت پر بھی قدرت ہو،پہلی صورت استطاعتِ لغویہ ہےاوردوسری صورت استطاعتِ شرعیہ۔

خوب سمجھ لیجئے گا!اورمدافعت کی فرضیت کے لیے پہلی استطاعت کافی نہیں، بلکہ دوسری صورت یعنی استطاعتِ شرعیہ شرط ہےجس کواس حدیث نے صاف کردیا ہے۔

قال من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه

(جب کوئی شخص کسی گناہ کو دیکھے تواس کو ہاتھ سے مٹادے،اگراس کی قدرت نہ ہوتو زبان سےاوراگراس کی بھی قدرت نہ ہوتو دل سے)

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہروقت حاصل ہے، پھراس کے انتفاء کی تقدیر کب محقق ہوگی یعنی اگرکسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پرقادر ہونا کافی ہواوراس سے جوخطرات پیش آنے والے ہوں،ان کی مدافعت پرقادر ہونا شرط نہ ہوتو زبان سے انکارکرنا ہرحالت میں فرض ہونا چاہیے،کیونکہ زبان کا چلانا ہروقت ہماری قدرت میں ہے پھروہ کونسی صورت ہوگی جس کی نسبت حضور ﷺ ارشادفرماتے ہیں،کہ اگرزبان سے بھی مٹانے کی قدرت نہ ہوتودل سے مٹادو،اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پرقدرت ہونے کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ بھی نہ ہوجس کی مقاومت اورمدافعت ومقابلہ بظن غالب عادتاً ناممکن ہو۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہوجائیں (الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ج اص ۱۰۶ ملفوظ نمبر ۱۱۶)

اور تفسیر بیانُ القرآن میں حضرت فرماتے ہیں:

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ اور لوگوں کو بھی خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ آخرت میں ثواب سے پورے کامیاب ہوں گے

ف: تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قادر ہو، یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا ہے کہ اگر میں امر ونہی کروں گا تو مجھ کو کوئی ضَرَر معتدّ بہ لاحق نہ ہوگا، اس کے لیے اُمورِ واجبہ میں امر و نہی کرنا واجب ہے، اور اُمورِ مستحبہ میں مستحب۔

مثلاً نمازِ پنجگانہ فرض ہے تو ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ بے نماز کو نصیحت کرے، اور نوافل مستحب ہیں اس کی نصیحت کرنا مستحب ہوگا اور جو شخص بالمعنی المذکور قادر نہ ہو اس پر امر و نہی کرنا اُمورِ واجبہ میں بھی واجب نہیں، البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔

پھر اس امر و نہی میں قادر کے لیے اُمورِ واجبہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قدرت ہاتھ سے ہو تو ہاتھ سے اس کا انتظام واجب ہے، جیسے حکّام محکومین کے اعتبار سے یا ہر شخص خاص اپنے اہل وعیال کے اعتبار سے۔ اور اگر صرف زبان سے قدرت ہو تو زبان سے کہنا واجب ہے، اور غیر قادر کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تارکِ واجبات و مرتکبِ محرمات سے دل سے نفرت رکھے (بیان القرآن جز۲ صفحہ ۴۵، سورۃ آلِ عمران آیت ''ولتکن منکم اُمة یدعون الی الخیر ''الخ)

ایک مقام پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہاتھ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا حکم عام نہیں بلکہ اہلِ حکومت کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ جہاں حکومت نہ ہو وہاں نرمی ہی مناسب ہے۔ امام صاحب نے اس راز کو خوب سمجھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کا طنبور یا مزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات) توڑ دے تو اس پر ضمان (تاوان) لازم آئے گا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ضمان لازم نہ ہوگا، کیونکہ اس نے منکر کا ازالہ کیا ہے، اور حدیث میں ازالۂ منکر کا حکم ہاتھ سے بھی ہے۔ امام

صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہاتھ سے ازالۂ منکر کرنے کا اختیار حکومت کے لوگوں کو ہے، عوام کو اختیار نہیں۔امام صاحب کے قول کا راز یہی ہے کہ عوام کی دست درازی سے فساد ہوگا، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے شریعت کا مقصود اصلاح ہے نہ کہ فساد۔لیکن حکومت کے دو درجے ہیں، باپ کو بیٹے پر اور شوہر کو بیوی پر، استاد کو شاگرد پر (مہتمم کو طلبہ واساتذہ پر) فی الجملہ حکومت ہوتی ہے، لہٰذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کرنے کا حکم ہے، لیکن غیروں کے ساتھ ایسا نہ کرنا چاہیے وہاں تو صرف زبان سے کام لیں اور وہ بھی نرمی سے۔نیز امر بالمعروف بزرگوں کو بھی کیا جاتا ہے، مگر وہاں نرمی کے ساتھ ادب وتعظیم کی بھی ضرورت ہے (ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ صفحہ ۳۷، ماخوذ از ''دینی دعوت وتبلیغ کے اُصول واحکام'' صفحہ ۱۷۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ کی عجیب نظر ہے، دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلاتِ لہو کو توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ دے تو ضمان (تاوان) لازم آئے گا یہ کام سلطان (حاکم) کا ہے۔وہ احتساب کرے اور توڑے پھوڑے اور سزا دے جو چاہے کرے دیکھئے اس میں کتنا امن ہے، سوائے سلطان (حاکم) کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں، جنگ وجدل اور فتنہ ہوتا ہے اور باہمی منازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا اقامتِ حدود (حدود وسزاؤں کا نفاذ واجراء) سلطان (حاکم) ہی کے ساتھ خاص ہے''

(ملفوظات حکیم الامت ج ۲۰ ص ۱۰۱)

امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف اور ضمان لازم ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے مفتیٰ وغیر مفتیٰ بہ ہونے کا مسئلہ اپنی جگہ ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر کسی غیر حاکم کے ہاتھ سے تغییرِ منکر کرنے سے اس سے بڑا یا اجتماعی مفسدہ لازم آتا ہو اور اس کے خطرناک اور بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہوں خصوصاً جبکہ بے گناہ اور معصوم جانوں کا اتلاف بھی لازم آتا ہو یا اجتماعی علمی وروحانی امور میں خلل واقع ہوتا ہو، تو شرعاً اس کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہاں یہ ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے کہ علماء کا درس وتدریس اور دینی تعلیم وتعلم میں مشغول رہنا بھی تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان شکل ﴿بقیہ صفحہ نمبر ۸۷ پر ملاحظہ ہو﴾

Idara Ghufran

علم کے مینار (خاص مضمون بسلسلہ ۱۴/اگست) مولانا محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

انگریز کے تسلط کے بعد برصغیر کا علمی زوال

ہندوستان (برصغیر) قدیم زمانے سے ایک طرف روحانی پیشواؤں کا مرکز رہا ہے تو دوسری طرف فلاسفہ و حکماء اور ارباب ہنر وکمال کا گہوارہ رہا ہے، اگر مذاہب میں ہندومت، بدھ مت، جین مت وغیرہ مذاہب کا آغاز ونشوونما اور پھر عام اشاعت وترقی یہیں پر اور یہیں سے ہوئی تو فلسفہ، طب، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، اوران کے دیگر ذیلی علوم میں بھی ہندوستان یونان کا ہم پایہ رہا ہے، ہندوستان کے فلسفہ وطب اور ھندسہ کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے [1] جتنی یونان، مصر و بابل اور چین کے علوم وتمدن کی تاریخ قدیم ہے قدیم دنیا کی تاریخ میں ہندوستان زندگی کے بہت سے میدانوں میں اپنا امتیازی تشخص اور نمایاں تر رتبہ رکھتا تھا۔علوم وفنون کے علاوہ ہندوستانی، پیداواریں اور مصنوعات خشکی اور سمندری راستوں سے مشرق و مغرب کی ہر قابل ذکر منڈی کو رونق بخشتی تھیں، ہندوستان کی زمین کو قدرت نے سرسبزی و شادابی عطا کرنے اور دولت وثروت سے مالا مال کرنے میں پوری پوری فیاضی اور سخاوت برتی ہے، قدیم تاریخ میں ہندوستان کی دولت اور ثروت کے قصے مشرق بعید سے منتہائے مغرب تک مشہور اور زبان زد خلائق تھے۔تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ سونے کی چڑیا اپنی زرخیزی وشادابی اور دولت وثروت کی وجہ سے ہی مشرق ومغرب کے مہم جوؤں اور طالع آزماؤں کی غارت گریوں اور زور آزمائیوں کا اکھاڑہ بنی رہی، سکندر مقدونی مغرب (یونان) سے طوفان بادوباراں کی طرح اٹھتا ہے اور صحرا، پہاڑ، دریا وسمندر عبور کر کے آتا اور یہاں کی اینٹ سے اینٹ بجاتا ہے تو آریائی قافلے مشرق وسطٰی سے آندھی اور طوفان کی طرح اٹھتے ہیں اور مور وملخ کی طرح اس پورے خطہ کو ڈھانپ لیتے ہیں، پھر صدیوں تک ان کی آمد کا تانتا بندھا رہتا ہے۔درمیان میں کم وبیش ایک ہزار سالہ اسلامی دور ہے۔

[1] مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے فلسفہ کی تاریخ پر اپنے ایک مبسوط مقدمہ میں بعض مغربی محققین (دانایان فرنگ) کے اس دعوے کو چیلنج کیا ہے کہ فلسفہ میں یونان کو ساری دنیا پر فوقیت اور شرف تقدیم حاصل ہے مولانا نے تاریخی قرائن سے ہندوستانی فلسفیانہ علوم کے ڈانڈے ماضی میں اتنی دور ملائے ہیں کہ جب ہند میں فلسفہ کا عام رجحان اور اس کا دور دورہ تھا اس وقت یونان اس میدان میں گھٹنوں کے بل چلتا تھا اور اس مکتب میں ابھی محض طفلِ مکتب تھا (ملاحظہ ہو: مقدمہ مبادی فلسفہ)

اس کے بعد پھر مغربی غارت گروں کی ہوس رانیوں، مکاریوں اور سفاکیوں کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ ولندیزی، پرتگیزی، فرانسیسی اور فرنگی اقوام انہی داستانوں کو پیش نظر رکھ کر جو قدیم دنیا میں ہندوستان کی دولت وثروت کے متعلق مشہور تھیں اس ملک تک پہنچنے کی آرزوئیں کرتے تھے، مسیحی اسپین کا کولمبس جس کے سر آج جھوٹے پروپیگنڈے کے زور پر نئی دنیا امریکہ کے دریافت کا سہرا باندھا جاتا ہے وہ ہندوستان ہی کی تلاش میں بحرظلمات میں اترا تھا۔ مشرق میں ہندوستان کے ساحلِ مراد تک پہنچنے کی بجائے وہ مغرب میں امریکی ساحل پر پہنچتا ہے اور جغرافیہ سے ناواقفی کا یہ عالم تھا کہ اسی کو ہندوستان سمجھتا ہے اور وہاں کے لوگوں کا نام ریڈ انڈین رکھتا ہے۔

چونکہ ہندوستان مغربی تسلط کے تاریک عہد سے پہلے اسلامی شناخت کا حامل تھا، مسلمانوں نے اس کو اپنا وطن بنا کر اور یہاں اسلام کا پیغام عام کر کے اس کو ایک وحدت میں پرویا تھا اور اسے آسمانی آئین، آفاقی تمدن عطا کیا تھا اور بلاشبہ مسلمانوں کا کئی صدیوں پر پھیلا ہوا عہدِ حکومت یہاں کا سب سے شاندار، سب سے روشن عہد ہے اور اس کے ساتھ متصل فرنگی سامراج کا تاریک استبدادی عہد ہے، اس لئے ہم یہاں آخری اسلامی عہد میں علوم وفنون کی گرم بازاری کی ایک ادنیٰ جھلک دکھا کر پھر فرنگی عہد کی تعلیمی وتمدنی تباہ کاریوں کا تھوڑا سا نقشہ دکھاتے ہیں؛ اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کا عہد صحیح معنوں میں ہند کی اسلامی سلطنت کا آخری زریں عہد تھا اس کے بعد تو محض نام کی سلطنت رہ گئی تھی، عام طور پر طوائف الملو کی پھیل گئی تھی۔

عالمگیر کے عہد کی علمی وتعلیمی ترقیاں برصغیر ہندوپاک وبنگال میں یہاں کے گذشتہ سب مسلمان بادشاہوں سے بڑھ کر تھیں، مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات اور شرفاء کی بستیوں میں تعلیم پھیلانے کے لئے حکومت کی جانب سے بھی اور مختلف امراء اور رؤساء کی طرف سے بھی تعلیم گاہیں قائم کی گئیں اس کے علاوہ علماء کی اپنی نجی جاری کردہ تعلیم گاہیں بھی تھیں حکومت نے طلباء کے لئے وظائف جاری کئے اور حکومتی وغیر حکومتی مدارس وتعلیم گاہوں کے معلمین، مدرسین اور اہل علم کے معاش کا معقول انتظام کر کے ان کو معاش کی طرف سے فارغ البال کیا۔ ان کے لئے جاگیریں جاری کیں، تعلیم گاہوں کے لئے اوقاف قائم کئے اور مستقل وقف آمدنیوں کا نظم بنایا گیا اس طرح ہر صوبہ، شہر اور قصبہ میں علم وتعلیم کی اشاعت عام ہوگئی، امراء ورؤساء نے بھی اپنے زیر نگرانی مدارس وتعلیم گاہوں کے لئے وظائف جاگیروں اور اوقاف کا انتظام جاری رکھا۔ اس دور میں پورے ملک میں، خصوصاً دہلی میں مرکزیت کے

حامل جامعات اور علمی حلقوں کا وسیع سلسلہ قائم ہوتا گیا جس کو عالمگیر کے بعد کے عہد میں مزید فروغ اور وسعت ملی، صرف صوبہ بنگال میں صوبہ کا چوتھائی حصہ آمدن تعلیم گاہوں اور مدارس کے لئے وقف تھا (ہم نے اپنے مضمون ''ہر چہ گیرد علتی'' میں جو التبلیغ میں شائع ہوا ان علمی مراکز اور مرکزی درسی حلقوں کا تعارف لکھا تھا)

ہندوستان کی گذشتہ علمی عظمتوں کے متعلق خود انگریزوں کا اعتراف

کپتان الگزینڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں شہنشاہ اورنگزیب مرحوم کے زمانہ کی حالت بتلاتے ہوئے لکھتا ہے کہ صرف شہر ٹھٹھہ سندھ میں چارسو کالج مختلف علوم وفنون کے تھے.......... جب دارالسلطنت دہلی سے ہزار میل سے بھی زیادہ مسافت والے شہر میں اتنے کالج تھے تو پھر شہر دہلی، آگرہ، بہار، بنگال، اڑیسہ، مدراس، بمبئ اور پنجاب کے بڑے شہروں کے متعلق اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں تعلیمی حالت کیا ہوگی۔

مقریزی جو ہندوستان کے تغلق بادشاہ کا ہم عصر ہے جس کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے وہ اپنی کتاب الخطط میں لکھتا ہے کہ تغلق کے زمانے میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے۔

مسٹر کیر باڈی نے لکھا ہے کہ انگریزی تسلط سے پہلے بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے اس طرح چارسو آدمیوں کی آبادی کے لئے ایک مدرسہ کا اوسط نکلتا ہے (بحوالہ نقش حیات) انگریزی تسلط سے پہلے ہندوستان (برصغیر) کے عام باشندے اعلیٰ ترین سیرت وکردار کے مالک اور مثالی اخلاق کے حامل تھے۔

جہانگیر کے زمانہ میں ایک انگریز سیاح سرتھامس ہندوستان آیا تھا ہندوستانیوں کی تہذیب وتمدن اور اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اپنے سفرنامہ میں اس نے یہاں کے حالات کا نقشہ کھینچا ہے۔

کتاب ''روشن مستقبل'' میں لکھا ہے کہ دہلی کی مرکزی حکومت (مسلمانوں کی) ٹوٹ جانے پر بھی صرف روہیل کھنڈ کے اضلاع جو دہلی سے قریب تھے پانچ ہزار علماء مختلف مدارس وتعلیم گاہوں میں درس وتعلیم دیتے تھے اور حافظ رحمت خان کی اس پٹھان ریاست روہیل کھنڈ سے تنخواہ پاتے تھے (بحوالہ حیات رحمت خان)

انگریزی دور اور جہالت کا زور

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نقش حیات میں یہ مذکورہ عنوان باندھ کر سفاک انگریز سامراج کے ہاتھوں ہندوستان کی تعلیم گاہوں کی بربادی اور یہاں کے تعلیمی نظام کی بساط لپیٹ کر پورے خطے کو جہالت کی ہولناک دلدلوں میں ایک طویل زمانے تک کے لئے دھکیل دینے کا عبرت انگیز مرقع پیش کیا ہے۔ صرف چند اقتباسات ہم اس میں سے نقل کریں گے۔

۱۸۲۳ء میں آنریبل الفنسٹن اور وارڈن نے ایک متفقہ یادداشت گورنمنٹ برطانیہ کو پیش کی اس یادداشت کا ایک اقتباس یہ ہے۔

''انصاف یہ ہے کہ ہم نے دیسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی علمی ترقی کی ہمت افزائی کے تمام ذرائع کو مٹا لیا ہے بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہو جانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار فراموش ہو جانے کا اندیشہ ہے اس الزام کو دور کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہئے'' (روشن مستقبل)

پھر جو کچھ انہوں نے کیا یعنی ہندوستان کے صدیوں سے استوار دیسی تعلیمی نظام کو ملیامیٹ کر کے عرصے تک پوری قوم کو جہالت میں مبتلا کرنیکے بعد مادیت والحاد اور فکر معاش پر مبنی فرنگی تعلیمی نظام برپا کیا اس تعلیمی نظام کی خصوصیات واثرات یہ ہیں۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے:

''ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کوئی نوجوان خواہ ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو۔ ایشیا کے پھلنے پھولنے والے مذاہب جب مغربی سائنس بستہ حقائق کے مقابلے میں آتے ہیں تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں'' (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے ۱۸۱۱ء میں ایک طویل یادداشت لکھ کر کورٹ آف ڈائرکٹران کو بھیجی، لکھا کہ علم کا روز بروز زوال ہو رہا ہے، ہندو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم نہ ہونے سے دروغ حلفی اور جعلسازی کے جرائم بڑھ رہے ہیں اور سفارش کی کہ متعدد کالج قائم کئے جائیں اور تعلیم پر زیادہ روپیہ خرچ کیا جائے۔

انگریز ہندوستان میں کیا گل کھلاتے تھے ذیل کے اقتباس سے اندازہ لگایئے۔

ہندوستان کا مشہور گورنر وارن ہنگسٹن لکھتا ہے ''انگریز ہندوستان میں آ کر بالکل نیا انسان بن جاتا ہے جن جرائم کی وہ اپنے ملک میں کبھی جرأت کر ہی نہیں سکتا، ہندوستان میں ان کے ارتکاب کے واسطے انگریز ہونا جواز کا درجہ رکھتا ہے اور اس کو سزا کا خیال تک نہیں ہو سکتا (علم المعیشۃ برنی)

انگریز نے ہندوستانیوں (برصغیر والوں) کا کیا حشر کیا؟ لارڈ میکالے لکھتا ہے:

''زمانہ سابق میں جس طرح زوردار اور بااثر لوگوں کو افیون کے پوست پلا کر کاہل، پست ہمت اور بد عقل بنا دیا جاتا تھا۔ ہمارا نظام سلطنت اسی طرح اہل ہند کو بے کار کر دے گا''

ان جرائم کی تلافی انگریز نے جو تعلیمی نظام دیکر کی اس کا حاصل یہ تھا۔

فضول اور لایعنی فنون اور زائد از حاجت کتابوں کا ایک ایسا ملغوبہ جن میں سر کھپانے سے دماغ کمزور اور بیکار ہو جائے اور کوئی واقعی مفید کمال حاصل نہ ہو کہ ان فنون وعلوم میں مذہب واخلاقیات اور روحانیات کا کوئی عمل دخل تو رکھا ہی نہیں گیا محض مادیت اور معاشی فلسفہ پر یہ تعلیمی سلسلہ استوار کیا گیا لیکن یہ فنون اور کتب اور نظام درس وتدریس بھی ایسا ہرگز نہ تھا جیسا ان کے اپنے ملکوں میں جاری تھا جس سے مختلف صنعتوں اور کاریگریوں کے ماہرین، نئی نئی چیزوں کے موجدین اور عالی دماغ روشن ضمیر مفکرین اور معاشی نظام کے مختلف دائروں کے باکمال فاضلین پیدا ہوں۔ جیسے یورپ کے مختلف ممالک جرمنی، فرانس، جاپان، روس، وغیرہ میں عام پیمانے پر ایک سے بڑھ کر ایک عالی دماغ، ذی حوصلہ، ہستیاں سامنے آتی رہیں بلکہ سائنس وطبیعیات کی محض اٹکل پچو ڈھکوسلے ونظریات اور خیالی وموہوم باتیں جو سوائے اس کے کہ پڑھنے والے کو مذہب وعقائد دینیہ سے منحرف اور لامذہب وبے دین بنا دیں یا تھرڈ کلاس نوکریوں کے لئے دفتری ملازم وکلرک اور منشی بننے کے قابل بنا دیں اور کوئی فائدہ اور مصرف اس نصابِ تعلیم کا نہ تھا اور عمر اس میں آدھی برباد ہوتی تھی، انگریزوں کو وسیع وعریض ہندوستان میں وسیع پیمانے پر اس قسم کے کلرکوں، بابوؤں اور منشیوں کی ضرورت تھی کیونکہ اس قسم کے عہدے انگریزوں کے لائق نہ تھے ان عہدوں کے لئے تو چار پیسے کے ملازم چاہئے تھے جو غلامانہ خو بو اور ذہنیت سے پوری طرح متصف ہوں اور آداب غلامانہ میں طاق ہوں، لہٰذا اس نظام تعلیم کے تیر نے یہ دونوں شکار بڑی پھرتی سے اور بڑی آسانی سے کئے، یہ تعلیمی اغراض اس نظام تعلیم کے بانی لارڈ میکالے کی ایک ابتدائی رپورٹ میں یوں مندرج ہیں۔

''ہمیں ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا میں ترجمان ہو اور یہ جماعت ایسی ہو کہ خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے والفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو'' (روشن مستقبل ص ۱۳)

جائے عبرت

یہ تعلیمی نظام انگریز کے وطن چھوڑنے کے بعد بھی نہ منسوخ ہوسکا نہ تبدیل اور اپنی انہی دونوں خصوصیات و اوصاف کے ساتھ پہلے سے زیادہ پھل پھول رہا ہے اور سدابہار ہو چکا ہے اور غلاموں سے احساس غلامی تک مٹا چکا ہے۔ ؎

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

تذکرۂ اولیاء

امتیاز احمد

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تذکار اہلِ بیت نبی ﷺ (امت کی ماؤں کا تعارفی خاکہ) (۱)

ازواجِ مطہرات

حضور ﷺ کی یہ گیارہ ازواجِ مطہرات (بیویاں) تھیں۔

(۱)......حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (۲)......حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (۳)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۴)......حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۵)......حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا (۶)......حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (۷)......حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا (۸)......حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا (۹)......حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (۱۰)......حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (۱۱)......حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

(۱)......حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

نام: خدیجہ۔ کنیت: امِ ہند۔ لقب: طاہرہ۔ سلسلہ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قصی پر پہنچ کران کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا

ولادت: عام الفیل (ابرہہ کے حملے والا سال) سے پندرہ سال قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

نکاح: باپ نے نکاح کے لئے اپنے بھتیجے ورقہ بن نوفل (جو توراۃ وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے) کو منتخب کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہوسکی، اور ابو ہالہ بن نباش التمیمی سے نکاح ہوگیا، ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقدِ نکاح میں آئیں، عتیق بن عابد ایک جنگ میں مارے گئے، اب ہر شخص ان سے نکاح کا خواہشمند تھا، لیکن تقدیر کا فیصلہ کچھ اور تھا، حضور ﷺ جب ملکِ شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نفیسہ بنت مینہ (یعلیٰ ابن امیہ کی ہمشیرہ) کے ہاتھ نکاح کا پیغام بھیجا، چنانچہ پانچ سو طلائی درہم مہر مقرر ہوا، اور حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا حرمِ نبوت ہوکر ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں، اس وقت حضور ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، یہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

اسلام: نکاح کے پندرہ برس بعد جب حضور ﷺ کو نبوت عطا ہوئی، اور پیغامِ نبوت جب حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا کو سنایا تو نہ صرف یہ کہ قبول کیا بلکہ خوف اور مصائب میں اور مشرکین کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے میں تسلی اور تشفی بھی دیتی رہیں، الغرض خوف اور مشکل وقت میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔

وفات: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد پچیس برس تک حیات رہیں، اور ۱۱/ رمضان المبارک ۱۰ نبوی (ہجرت سے تین سال قبل) کو وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال چھ ماہ تھی۔

اولاد: پہلے شوہر سے دولڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے، دوسرے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا، آنحضرت ﷺ کے دو صاحبزادے حضرت قاسم اور عبداللہ اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ حضرت امِ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔

(۲)......حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: سودہ نام تھا، قبیلہ عامر بن لوئ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے:

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئ۔ ماں کا نام شموس تھا

نکاح: پہلا نکاح سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان کی وفات کے بعد حضور ﷺ کے عقدِ نکاح میں آئیں، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رمضان ۱۰ نبوی میں ہوا۔

اسلام: ابتدائے نبوت میں ہی اپنے شوہر کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

اولاد: حضور ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پہلے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔

وفات: مورخ واقدی کے بقول ۵۴ھ میں وفات ہوئی، لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیرِ زمانہ میں وفات پائی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں وفات پائی، اس لئے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سنِ وفات ۲۲ھ ہوگا۔

(۳)......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: عائشہ نام۔ صدیقہ اور حمیرا لقب۔ امِ عبداللہ کنیت۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام زینب تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار سال بعد شوال کے مہینے میں پیدا ہوئیں۔

نکاح: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں اور جب نو برس کی ہوئیں تو رخصتی عمل میں آئی۔

مقام و مرتبت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، دسیوں آیات آپ کی مرتبت میں نازل ہوئیں، بایں ہمہ آپ رضی اللہ عنہا کی گود میں سرکارِ دوجہاں کی رحلت ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہا کا ہی حجرہ آنحضرت ﷺ کا مدفن بنا۔

وفات: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۶۶ برس کی عمر میں رمضان ۵۸ھ کو وفات ہوئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۴)......حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب: حفصہ نام تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباع بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔
والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا، بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔

نکاح: پہلا نکاح خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، حضرت خنیس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تو دوسرا نکاح حضور ﷺ سے ہوا۔ **اولاد:** کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

وفات: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔

اخلاق: صائم النہار اور قائم اللیل تھیں، حتی کہ انتقال کے وقت بھی روزہ سے تھیں۔

(۵)......حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب نام تھا، سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اس لئے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔

نکاح: پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا، عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جنگِ احد میں شہادت پائی، اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔

وفات: نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا، نمازِ جنازہ آنحضرت ﷺ نے خود پڑھائی، اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال تھی

(۶)......حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب: ہند نام تھا، کنیت امِ سلمہ، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: ہند بنت ابی

امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔ والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر تھا۔

نکاح: پہلا نکاح عبداللہ بن الاسد سے ہوا، جو زیادہ تر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں زخمی ہوگئے اور جمادی الاخریٰ ۴ھ میں وفات پائی، دوسرا نکاح آنحضرت ﷺ سے شوال ۴ھ میں ہوا۔

اولاد: پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے دولڑکے سلمہ اور عمر پیدا ہوئے اور ایک لڑکی درہ پیدا ہوئی۔

وفات: ۶۳ھ واقعۂ حرہ کے سال میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ۸۴ برس تھی، نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

(۷)......حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب: زینب نام، ام الحکیم کنیت، قبیلۂ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام امیمہ تھا، جو عبدالمطلب کی دختر تھیں، اس بناء میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

نکاح: پہلا نکاح آنحضرت ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی، تو آپ ﷺ نے خود اپنے ساتھ نکاح فرمالیا۔

وفات: ۲۰ھ میں انتقال کیا، اور ۵۳ برس کی عمر پائی۔

اخلاق: حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نیک خو، روزہ دار اور نماز گزار تھیں

(۸)......حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: جویریہ نام، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیاء، حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد خاندانِ بنو المصطلق کے سردار تھے۔

نکاح: پہلا نکاح مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا، دوسرا نکاح حضور ﷺ سے ہوا۔

وفات: حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۹)......حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: رملہ نام، امِ حبیبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے: رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا، حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔

نکاح: پہلا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا، ان کے انتقال کے بعد حضور ﷺ سے نکاح ہوا۔

وفات: حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۴۴ھ میں انتقال کیا، اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

(۱۰)......حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: میمونہ نام، قبیلۂ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن روبۃ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصیفۃ بن قیس بن عیلان بن مضر۔ والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔

نکاح: پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا، لیکن کسی وجہ سے علیٰحدگی اختیار کرنی پڑی، پھر ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں، ابورہم نے ۷ھ میں انتقال کیا، تو حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

وفات: ۵۱ھ میں وفات پائی۔

(۱۱)......حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

اصلی نام زینب تھا، لیکن چونکہ وہ جنگِ خیبر میں خاص حضور ﷺ کے حصے میں آئی تھیں، اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا صفیہ کہتے تھے اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں، باپ کا نام حیی بن اخطب تھا، جو قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا، ماں کا نام ضرد تھا، سموآل رئیسِ قریظہ کی بیٹی تھی۔

نکاح: پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا، سلام نے طلاق دے دی، تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، کنانہ جنگِ خیبر میں مقتول ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے نکاح کرلیا

وفات: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

Iqra Ghar

پیارے بچّو!

حکیم محمد فیضان

ملک وملت کے مستقبل کی عمارت گری وتربیت سازی پر مشتمل سلسلہ

لالچ کا انجام اور شکر کا انعام

پیارے بچو! پرانے زمانے میں عرب کے ملک میں ایک قوم آباد تھی۔اس قوم کا نام بنی اسرائیل تھا...... بنی اسرئیل میں تین آدمی تھے......ایک کوڑھی......دوسرا گنجا......تیسرا اندھا......اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہا اوران کے پاس ایک فرشتہ کوانسانی کی شکل وصورت میں بھیجا،فرشتے دراصل اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک خاص مخلوق ہے، جونور سے پیدا کئے گئے ہیں اورہمیں نظرنہیں آتے......وہ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیااور پوچھا کہ دنیا میں تجھ کوکیا چیز سب سے پیاری ہے......یہ تو آپ سب کومعلوم ہی ہوگا کہ فرشتے بھی انسانوں کی طرح سے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں، جو ہروقت اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اورجس کام پربھی اللہ نے اُن کولگا دیا بس وہی کرتے ہیں،کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے،اللہ نے اُن کونُور سے پیدا کیا ہے۔

پیارے بچو! کیا آپ کو پتہ ہے کوڑھی کسے کہتے ہیں؟ کوڑھ ایک چھوت کی بیماری ہوتی ہے۔اس بیماری میں انسان کے پورے جسم کی چمڑی (جلد)خراب اور بدنما ہوجاتی ہے۔مریض کے اعضاء اور ہاتھوں پیروں کی انگلیاں تک کٹ کرگر جاتی ہیں......کوڑھی نے کہا کہ میں توبس یہی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اِس کوڑھ کی بیماری کودُور کردے......اور مجھے بھی اچھی رنگت اورخوبصورت کھال(جلد)عطا فرمادے،تا کہ میں بھی سب لوگوں کے ساتھ اُٹھ بیٹھ سکوں۔اب تو سب مجھے دیکھ کرمنھ پھیر لیتے اور مجھے برا سمجھتے ہیں،مجھ سے گھِن اورنفرت کرتے ہیں......اپنے پاس بیٹھنے بھی نہیں دیتے......یہ سن کراس فرشتہ نے فوراًاپنا ہاتھ اُس کے بدن پرپھیر دیا۔فرشتہ کا ہاتھ پھیرنا تھا کہ وہ ایک دم فوراً وہ بھلا چنگا ہوگیا......اُس کی کوڑھ کی بیماری دُور ہوگئی۔پھراس فرشتہ نے پوچھا کہ تجھے کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا کہ مجھے''اونٹ''بہت پسند ہیں......فرشتہ نے اُس کوایک بچے دینے والی اونٹنی دے دی۔اوردعا کی کہ اللہ تبارک تعالیٰ اِس میں برکت دے......پھروہ فرشتہ گنجے کے پاس آیااوراس سے بھی یہی سوال کیا''کہ بتا تجھے کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے''۔گنجے نے کہا میں تویہی چاہتا ہوں کہ میرے بھی اچھے اور پیارے سے بال نکل آئیں......یہ بَلا اور بیماری مجھ سے جاتی رہے۔سب لوگ اس بیماری کی وجہ سے مجھ سے نفرت

کرتے ہیں...... مجھے بُرا سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر فرشتہ نے اُس کے سر پر بھی ہاتھ پھیر دیا...... اُس کے بھی فوراً خوبصورت اور پیارے سے بال نکل آئے۔ اس کے بعد پھر فرشتہ نے اُس سے پوچھا کہ تجھے کونسا مال پسند ہے؟...... اُس نے کہا کہ مجھے ''گائے'' بہت پسند ہے...... پھر فرشتہ نے اُس کو ایک بچے دینے والی بہترین گائے دیدی، اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اِس میں برکت دے...... پھر چلتے چلتے وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اُس سے پوچھا بتا تجھے کیا چیز چاہئے؟...... اندھے نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ میری آنکھیں ٹھیک کر دے تا کہ میں سب آدمیوں کو دیکھ سکوں، اور دنیا کو دیکھوں کہ اللہ نے دنیا میں کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں...... اُس فرشتہ نے اللہ کا نام لے کر اُس اندھے کی آنکھوں پر بھی اپنا ہاتھ پھیر دیا...... اور اللہ تعالیٰ نے اُس اندھے کو آنکھوں کی روشنی عطا فرما دی، اس کی اندھیری دنیا میں بہار آ گئی...... پھر فرشتہ نے پُوچھا کہ بتا تجھے کیا مال پسند ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ''بکری''...... یہ سن کر فرشتہ نے اس کو ایک بچے دینے والی بکری دے دی۔ اور برکت کی دعا دی...... پھر کُچھ ہی دنوں کے بعد ان تینوں جانوروں نے یکے بعد دیگرے کئی کئی بچوں کو جنم دیا...... اور اللہ تعالیٰ نے اِن میں اِتنی برکت ڈالی کہ کچھ ہی دنوں میں اُس کے اونٹوں سے جنگل بھر گیا اور اُس کی گایوں سے اور اُس کی بکریوں سے وادیاں اور گھاٹیاں بھر گئیں...... کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ فرشتہ خدا کے حکم سے اُسی پہلی صورت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک غریب وسکین آدمی ہوں میرے پاس سفر کا سب سامان ختم ہو گیا...... آج میرے پاس گھر تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ نہیں ہے، سوائے اللہ کے اور تیرے۔ میں اُس اللہ کے نام پر کہ جس نے تجھے اتنی اچھی رنگت اور خوبصورتی عطا فرمائی ہے...... ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں، تا کہ اُس پر بیٹھ کر اپنے گھر پہنچ جاؤں...... یہ سن کر اُس نے کہا اس مال میں اور بہت سے لوگوں کا حصہ ہے...... مجھے اور بہت سارے حقوق پورے کرنے ہیں...... چل یہاں سے دُور ہو...... تیرے دینے کی اس میں گنجائش نہیں...... یہ سُن کر فرشتہ بولا شاید میں نے تجھے پہلے بھی دیکھا ہے...... تو کہیں وہی آدمی تو نہیں جو پہلے کوڑھی تھا؟ تجھ سے سب لوگ گھن اور نفرت کرتے تھے اور کیا تو غریب اور مفلس نہیں تھا...... پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے مال ودولت سے نواز دیا اور مالا مال کر دیا؟ یہ سننا تھا کہ وہ تو غصہ میں لال وسرخ ہو گیا، اُس نے تو آنکھیں ہی بدل لیں، تیوری پر بل ڈال کر کہا واہ بھئی واہ، ارے میں تو خاندانی رئیس ہوں، یہ مال تو میری کئی پشتوں سے باپ دادا سے چلا آ رہا ہے۔ یہ سن کر فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا...... پھر وہ فرشتہ چلتے چلتے اُسی پہلی صورت میں گنجے کے پاس آ گیا اور اُس سے بھی وہی سوال کیا، جو کوڑھی سے کیا تھا...... اس نے بھی پلٹ کر ویسا ہی جواب دیا جیسا

کہ کوڑھی نے دیا تھا......فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا......پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس اُسی پہلی صورت میں آیا اور اُس سے کہا کہ میں مسافر ہوں اور غریب و مسکین ہوں......بے سروسامان ہوگیا ہوں......آج سوائے اللہ کے اور تیرے میرا کوئی سہارا نہیں......میں اُسی اللہ کے نام پر جس نے تجھے دوسری بار بینائی دی ہے......ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تا کہ اس سے اپنا کام چلاؤں اور سفر پورا کروں......اُس نے کہا تو نے سچ کہا......بیشک میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے مجھے دوبارہ بینائی عطا فرمائی ہے۔میں غریب تھا، اللہ نے مجھے مالدار بنا دیا، خدا کی قسم میں تجھے کسی چیز سے نہیں روکوں گا، جتنا مال تیرا دل چاہے لے جا، اور جو چاہے چھوڑ دے......فرشتہ نے جواب دیا ...... بھائی اپنے مال کو اپنے پاس رکھ مجھے اس میں سے کچھ بھی نہیں چاہئے ......صرف تم تینوں کی آزمائش منظور تھی......سو ہو چکی......اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوا اور ان دونوں سے ناراض ہوا۔

پیارے بچو! اُن دونوں کو لالچ اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی وجہ سے کیا نتیجہ ملا......سارا مال، دولت، عزت چھن گئی اور جیسے کوڑھی گنجے اور غریب تھے ویسے ہی رہ گئے ......اللہ تبارک تعالیٰ اُن سے ناراض ہوا، اور اُس آدمی کو شکر کرنے کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی مال و دولت خوشیاں ملیں۔اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہوا

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی اتنی ڈھیر ساری نعمتیں دی ہیں ......ہمیں آنکھیں دی...... ہاتھ پاؤں دیئے......کھانے پینے کی اتنی اچھی اچھی نعمتیں دی ہیں......ہمیں بھی اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے......کبھی بھی اللہ کی ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔غریبوں کا خیال کرنا اور گنجائش کے مطابق اللہ کے نام پر صدقہ خیرات کرتے رہنا چاہئے اس سے مال میں بھی برکت ہوتی ہے اور آنے والی بلائیں، مصیبتیں ٹل جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتے ہیں۔

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

زیب وزینت کی شرعی حیثیت اور حدود (قسط ۳)

معزز خواتین! سر کے بالوں کی زیب وزینت سے متعلق شرعی احکام کا تذکرہ ہو رہا تھا اسی سلسلے کے چند مزید احکام ملاحظہ فرمائیں:

بالوں کی صفائی

شریعت میں بالوں کو صاف ستھرا اور سنوار کر رکھنا مطلوب ہے اس لئے خواتین کو چاہئے کہ حسبِ ضرورت اپنے بالوں کو صاف ستھرا اور سنوار کر رکھیں لیکن اس سلسلے میں دو باتوں کا ضرور لحاظ رکھیں ایک تو یہ کہ بالوں کی آرائش میں کوئی خلافِ شرع طریقہ اختیار نہ کریں دوسرے یہ کہ جائز زیب وزینت کو بھی ہر وقت کا مشغلہ نہ بنائیں بلکہ حدود میں رہتے ہوئے ضرورت کے وقت اختیار کریں۔

بالوں کی صفائی کے لئے صابن اور شیمپو وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

بالوں میں تیل لگانا

سر میں تیل کی مالش کرنا اور بالوں میں تیل لگانا مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی جائز ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ سے بھی تیل لگانا بطور عادت کے ثابت ہے اس لحاظ سے اگر اتباع سنت کی نیت سے سر میں تیل لگایا جائے تو یہ عمل باعثِ ثواب بھی ہوگا علاوہ ازیں طبی لحاظ سے بھی سر میں تیل لگانا مفید ہے چنانچہ سر میں قدرتی تیل کی مالش سے خواتین بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتی ہیں لیکن اس سلسلے میں خواتین کو اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ ایسا خوشبودار تیل نہ لگائیں جس کی خوشبو مہکنے والی اور پھیلنے والی ہو اس لئے کہ یہ گناہ بھی ہے اور مردوں کے لئے باعثِ فتنہ بھی۔

کنگھی کرنا

بالوں میں کنگھی کرنا یا برش کی مدد سے ان کو سلجھانا بھی خواتین کے لئے جائز بلکہ ایک حد تک مطلوب ہے البتہ اس میں اعتدال ہونا چاہئے نہ تو یہ ہو کہ بال الجھے ہوئے اور پراگندہ ہیں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے

ہیں اور سستی کی وجہ سے بالوں میں کنگھی کرنے کی فکر ہی نہیں اور نہ یہ ہو کہ دن میں کئی کئی بار آئینہ سامنے رکھ کر مختلف انداز سے بالوں میں کنگھی ہی کو مشغلہ بنالیا جائے کہ یہ دونوں باتیں اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں۔

مانگ نکالنا

بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے مانگ نکالنا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے البتہ اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مانگ ایسے طور پر نہ نکالی جائے جس سے غیر مسلم عورتوں سے یا مردوں سے مشابہت ہو جائے۔ لہٰذا ٹیڑھی مانگ نکالنا جائز نہیں۔

جوڑا باندھنا

جوڑا باندھنے کی دو شکلیں عموماً عورتوں میں رائج ہیں ایک شکل یہ کہ سر کے بالوں کو گدی پر اکٹھا کر کے جوڑا بنالیا جائے یا تو اس لئے کہ غسل سے فراغت کے بعد تیل لگانے اور کنگھی کرنے کی ابھی فرصت نہیں ہے اور بالوں کی حفاظت مقصود ہے اور یا اس وجہ سے کہ نماز میں بالوں کو اچھی طرح چھپانا مقصود ہے تو ایسی صورت میں گدی پر بالوں کا جُوڑا بنالینا جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں اسی طرح گھر کے کام کاج میں سہولت کے لئے یا شوہر کو خوش کرنے کے لئے گدی پر جوڑا باندھ لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن فیشن کی غرض سے یا غیر محرموں کو دکھانے کی غرض سے ایسا کرنا جائز نہیں۔ دوسری شکل یہ ہے کہ بعض خواتین بطور فیشن اجنبی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے بالوں کو اکٹھا کر کے سر پر جُوڑا بنالیتی ہیں یہ ناجائز ہے اس لئے کہ ایک حدیث شریف میں ایسی عورتوں کے لئے سخت وعید بیان کی گئی ہے۔

سر پر جوڑا باندھنے والی خواتین کے لئے وعید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں کی دو جماعتیں میں نے نہیں دیکھی ہیں (کیونکہ وہ ابھی موجود نہیں ہیں بعد میں ان کا ظہور ہوگا) ایک جماعت ان لوگوں کی ہوگی جن کے پاس بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے ہونگے ان سے لوگوں کو (ظلماً) ماریں گے دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی (مگر اس کے باوجود) ننگی ہوں گی (اس لئے کہ وہ لباس اتنا مختصر، یا باریک یا چست ہوگا کہ لباس پہنے ہونے کے باوجود ان کا جسم نظر آ رہا ہوگا) (مردوں کو) مائل کرنے والی اور (خود ان کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں

کے کوہانوں کی طرح ہوں گے جو جھکے ہوئے ہوں گے، یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اُس کی خوشبو سونگھیں گی حالانکہ بلا شبہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور سے سونگھی جاتی ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۶ از مسلم)

فائدہ: اس حدیث شریف میں ایسی عورتوں کے لئے جنت کی خوشبو سے بھی محرومی کی وعید ہے جو اپنے بالوں کو پھُلا پھُلا کر اور سروں کے اوپر اونٹ کے کوہان کی طرح جوڑا بناتی ہیں پھر اجنبی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کا دل لبھانے کے لئے برہنہ سروں کو مٹکا مٹکا کر چلتی ہیں۔ [۱]

بالوں کو کھُلا چھوڑ دینا

بعض خواتین بالوں میں کنگھی کر کے گدی پر بالوں میں پونی باندھ لیتی ہیں یا کلپ لگا لیتی ہیں اور بقیہ بالوں کو کمر پر بغیر مینڈھیاں بنائے کھلا چھوڑ دیتی ہیں یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ ایسا کرنے سے غیر مسلم یا نافرمان اور فیشن زدہ خواتین کے ساتھ مشابہت نہ ہوتی ہو نیز بے پردگی وغیرہ سے حفاظت کا اہتمام ہو۔

کلِپ لگانا

خواتین کے لئے ہیئر کلپ کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ نمود و نمائش مقصود نہ ہو اور اپنی مالی حیثیت کے موافق خریدا جائے۔

مینڈھیاں بنانا

مینڈھیاں بنانا عورتوں کو جائز ہے خواہ جس طرح بنائیں اور جتنی چاہیں بنائیں لیکن اس میں بھی اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ کافرہ اور نافرمان عورتوں کی مشابہت نہ ہو اور نمائش مقصود نہ ہو بلکہ آرائش کے لئے بنائی جائیں۔

چٹیا بنانا

بالوں کو بٹ کر ان کی چٹیا بنا لینا خواتین کے لئے جائز ہے بعض خواتین دو چوٹیاں بنا لیتی ہیں یہ اصل میں فیشن ہی معلوم ہوتا ہے جس کی کوئی نظیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں ملتی

---

[۱] البتہ اگر کسی عورت کا مقصود فیشن پرست عورتوں کی مشابہت اور اجنبی مردوں کو اپنا سر دکھلانا اور ان کی اپنی طرف مائل کرنا نہ ہو، بلکہ کسی ضرورت کی وجہ سے سر پر بالوں کا جوڑا بنالے تو بظاہر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کے مذکورہ حدیث شریف کے الفاظ اور اس کی تشریح وغیرہ کے انداز سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ وعید فقط سر پر جوڑا باندھنے کے عمل پر نہیں بلکہ اجنبی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دِکھاوے کا ایک ذریعہ ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن اس کے باوجود احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس عمل کو سرے سے کیا ہی نہ جائے۔

لیکن اگر فیشن کے طور پر نہ ہو بلکہ بالوں کی کثرت کی وجہ سے ضرورت کے لئے دو چٹیا بنالیں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ کافر اور نافرمان عورتوں کی مشابہت نہ ہوتی ہو۔

پراندی کا استعمال

بالوں کی چٹیا بناکر ان میں پراندی ڈال لینا بلاکراہت جائز ہے لیکن نمود و نمائش یا فیشن کی خاطر (موتیوں وغیرہ سے آراستہ پراندہ) باندھنا ناجائز ہے خصوصاً اجنبی مردوں کی نگاہیں پڑنے والے موقع پر کھڑے ہونے یا ایسی جگہ آنے جانے سے اس کی قباحت و برائی میں اضافہ ہوجاتا ہے اس لئے ایسے امور سے پرہیز لازم ہے۔

بالوں کو مختلف رنگوں سے رنگنا

اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ خالص سیاہ رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں کا خضاب لگانا خواتین کے لئے بلاشبہ درست ہے بشرطیکہ اس میں کافر اور فاسق عورتوں کے ساتھ مشابہت نہ ہوتی ہو اور نمائش مقصود نہ ہو بلکہ فقط آرائش کی خاطر لگایا جائے۔اور سرخ خضاب خالص حنا (مہندی) کا یا کچھ سیاہی مائل خضاب جس میں کتم شامل کیا جاتا ہے خواتین کے حق میں بھی مسنون اور افضل ہے۔

لیکن خالص سیاہ رنگ کا خضاب اور اسی طرح خالص سیاہ رنگ کے دیگر کیمیاوی ہیئر کلرز لگانا جبکہ اپنے آپ کو کم عمر اور جوان ظاہر کر کے دھوکہ دینا مقصود ہو تو یہ جائز نہیں۔حدیث شریف میں سیاہ خضاب لگانے والوں کے لئے وعید ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ ”آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہونگے جو کبوتر کے پوٹوں کی مانند سیاہی سے خضاب کریں گے (یعنی وہ جو خضاب استعمال کریں گے وہ ایسا ہی سیاہ ہوگا جیسے بعض کبوتروں کے پوٹے سیاہ ہوتے ہیں) ایسے لوگ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے“ (ابوداؤد،نسائی) [1]

خضابی کنگھی کا استعمال

اس کنگھی کے استعمال سے اگر بال سیاہ خضاب لگانے کی طرح سیاہ ہوجاتے ہوں تو اس کنگھی کا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ حدیث شریف میں بالوں کو سیاہ کرنے پر وعید ہے خواہ کسی بھی طریقے سے کئے جائیں

---

[1] البتہ اگر کسی خاتون کا مقصود دھوکہ دینا نہ ہو بلکہ خاوند کو خوش کرنا اور اس کے لئے آرائش کرنا مقصود ہو تو بطور زینت سیاہ خضاب کرنے کی بعض اہلِ علم حضرات نے گنجائش بیان فرمائی ہے (ملاحظہ ہو:عورت کے بناؤ سنگار کے شرعی احکام ص ۴۷و۴۸) لیکن چونکہ حدیث شریف میں وعید مطلق ہے اور عمومی مسئلہ بھی یہی ہے کہ سیاہ خضاب لگانا ناجائز ہے، اگرچہ دھوکہ دینا مقصود نہ ہو،اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ خالص سیاہ خضاب بالکل استعمال نہ کیا جائے، بوقتِ ضرورت شوہر کی خاطر بھی سیاہی مائل بھورا خضاب لگالیا جائے۔

انجکشن کے ذریعے بال سیاہ کرنا

چونکہ اس طریقے سے مقصود بھی بالوں کا سیاہ کرنا ہی ہے صرف طریقہ مختلف ہے اس لئے اس طرح بال سیاہ کرنا بھی جائز نہیں۔

بالوں میں بال ملانا

بعض خواتین زیب و زینت کے لئے اور اپنے بال لمبے یا گھنے ظاہر کرنے کے لئے دوسرے کسی مرد یا عورت کے بال لیکر اپنے بالوں میں ملا لیتی ہیں چونکہ اس میں دھوکہ اور فریب ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سخت ناپسند فرمایا ہے اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

''خدا کی لعنت ہو اس عورت پر (جو بالوں کو لمبا یا گھنا ظاہر کرنے کے لئے دوسرے کسی مرد یا عورت کے بال) اپنے بالوں میں ملا لے اور اس عورت پر بھی خدا کی لعنت ہو جو کسی عورت سے کہے کہ دوسرے کے بال میرے بالوں میں ملا دے'' (مشکوٰۃ ص ۳۸۱ از بخاری ومسلم)

لہٰذا ایسی خواتین کا یہ عمل شرعاً درست نہیں اس سے بچنا ضروری ہے۔

فائدہ: موجودہ دور میں بناوٹی بالوں کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے بیوٹی پارلروں میں نئے نئے انداز سے بال لگوائے جانے کے طریقے رائج ہو چکے ہیں اس سلسلے میں شرعی حکم کی دو صورتیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

انسان یا خنزیر کے بالوں کی وگ استعمال کرنا

انسانی بالوں کی یا خنزیر کے بالوں کی وگ لگوانا جائز نہیں حرام ہے خواہ وگ کے بال مشین کے ذریعہ اس طرح لگوائے جائیں کہ وہ جسم کے ساتھ مستقل پیوست ہو جائیں اور جسم سے الگ نہ ہو سکتے ہوں یا اس طرح نہ لگوائیں بلکہ عارضی طور پر لگوائیں کہ جب چاہیں اسے پہن لیں اور جب چاہیں اسے اتار لیں کسی صورت میں انسانی بالوں یا خنزیر کے بالوں کی وگ لگوانا جائز نہیں۔

جانور کے بالوں یا مصنوعی بالوں کی وگ کا استعمال

خنزیر کے علاوہ کسی اور جانور کے بالوں کی بنی ہوئی وگ یا مصنوعی بالوں کی وگ لگانا اور لگوانا شرعاً جائز ہے خواہ مستقل طور پر پیوست کر کے لگائی جائے یا عارضی طور پر لگائی جائے دونوں صورتوں میں کچھ حرج نہیں۔

وگ کے بالوں پر مسح اور غسل کا حکم

اگر وگ کے بال جسم کے ساتھ مستقل پیوست ہو جائیں الگ نہ ہو سکتے ہوں تو دورانِ وضوان پر مسح کرنا درست ہے اور اسی حالت میں فرض غسل بھی درست ہو جائے گا۔ اور اگر یہ بال جسم کے ساتھ مستقل پیوست نہ ہوں بلکہ عارضی ہوں کہ جب چاہیں لگالیں اور جب چاہیں ہٹادیں تو ان پر مسح جائز نہیں اور ان بالوں کے ہوتے ہوئے اگر جسم تک پانی نہ پہنچے تو ایسی صورت میں فرض غسل بھی درست نہ ہوگا لہٰذا اس صوت میں ان کو ہٹا کر سر پر مسح کرنا ضروری ہے اور فرض غسل میں غسل سے پہلے ان کو اتار کر غسل کرنا ضروری ہے۔

خواتین کے گھر سے باہر ننگے سر جانے کی سزا

ایک طویل حدیث شریف جس میں حضور اقدس ﷺ نے شب معراج میں اپنی امت کی بعض گنہگار عورتوں کو جہنم میں قسم قسم کے شدید اور ہولناک عذابوں میں مبتلا دیکھنے کا تذکرہ فرمایا اور پھر بعد میں اسی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان عورتوں کے وہ گناہ بھی بتلائے جن کی وجہ سے وہ مختلف عذابوں میں مبتلا تھیں اس حدیث کے شروع میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بالوں کے ذریعے جہنم کے اندر لٹکی ہوئی ہے اور اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح پک رہا ہے ایک تو جہنم کے اندر ہونا بذات خود ایک سخت عذاب ہے پھر بالوں کے ذریعے لٹکا ہوا ہونا یہ دوسرا تکلیف دہ عذاب پھر دماغ کا ہنڈیا کی طرح پکنا یہ تیسرا عذاب گویا تہرے عذاب کے اندر مبتلا خاتون آنحضرت ﷺ کو دکھائی گئی۔ اس عوت کا گناہ کیا تھا جس کی اتنی سخت سزا اس کو ہو رہی تھی اسکی وضاحت اس حدیث میں آگے چل کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی اور وہ یہ کہ اس عورت کو یہ عذاب گھر سے باہر ننگے سر جانے کی وجہ سے ہو رہا تھا وہ عورت نامحرم مردوں سے اپنے سر کے بال نہیں چھپاتی تھی (بحوالہ ستر بڑے گناہ ص ۳۰۶ وص ۳۰۷ مترجم مولانا ہارون الرشید صاحب عربی کتاب الکبائر للذہبی)

خدا کی پناہ! ایک ایسے گناہ کی وجہ سے اتنا سخت عذاب کہ جس میں خواتین کو کچھ بھی لذت اور فائدہ نہیں محض ایک نمود ونمائش کے جذبے کی تسکین ہو اور اس کی پاداش میں اتنی سخت سزا جس خاتون کو ذرا سا بھی خوفِ خدا اور اس سزا کا یقین ہوگا ہرگز بھی ایسی حماقت نہ کرے گی۔ اللہ تعالیٰ سمجھ اور توفیق عطا فرمائے آمین لہٰذا بالوں کی زیب وزینت کی جتنی شکلیں جائز ہیں ان کو بھی نمود ونمائش کے ارادے سے اختیار کرنا یا اجنبی مردوں کو دکھلانا ہرگز جائز نہیں سخت گناہ ہے اس سے بچنے کا بھرپور اہتمام کرنا خواتین کے لئے ضروری ہے۔

(جاری ہے............)

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی شرعی حیثیت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

کیا جمعہ کے دن روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں اور جائز ہے تو دوسرے دنوں کے مقابلے میں اس دن کے روزہ کی زیادہ فضیلت ہے یا دوسرے دنوں کے برابر ہے اور اگر جائز نہیں یا مکروہ وغیرہ ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب...... جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنے کے بارے میں احادیث وروایات مختلف ہیں، اور اسی وجہ سے اس بارے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔

پہلے اس سلسلہ میں وارِد ہونے والی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلاثَةَ اَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (ترمذی، باب ماجاء فی صوم یوم الجمعة واللفظ لهٗ ،نسائی، کتاب الصیام، جامع صغیر ج۵ رقم حدیث ۷۰۷۷ بحواله ترمذی، تصحیح السیوطی حسن) [۱]

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ مہینہ کے شروع کے تین دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے اور جمعہ کے دن بہت کم روزہ چھوڑتے تھے''

(۲)...... **عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ لَمْ يَرَ رَسُوْلَ اللهِ صَلىَّ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْطَرَ يَوْمَ جُمُعَةٍ قَطُّ** (مجمع الزوائد ج۳ کتاب الصیام، بحواله بزار باب فی صیام یوم الجمعة حدیث نمبر ۵۲۱۵، مصنف ابنِ ابی شیبة جلد۲ ،کتاب الصیام)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی جمعہ کے دن روزہ چھوڑتے ہوئے نہیں دیکھا'' (ترجمہ ختم)

---

[۱] (وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ)بضم الميم ويسكن قال المظهر تأويله انه كان يصومه منضما الى ماقبله او الى مابعده او انه مختص بالنبى ﷺ كالوصال قال القاضى او انه كان يمسک قبل الصلاة ولايتغدى الا بعد اداء الجمعة كما روى عن سهل بن سعد الساعدى اه فمعنى الافطار أكل الفطور وهو مايؤ كل أول النهار لا الافطار الذى ضد الصوم وهو بعيد من السياق والسباق بل ظاهره الاطلاق المؤيد لمذهبنا انه لايكره افراد صومه اذ الاختصاص لايثبت بالاحتمال (مرقاة شرح مشكوٰة جلد۴ صفحه ۲۹۹)

(۳)...... عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ مَا رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُفْطِراً فِیْ یَوْمِ جُمُعَۃٍ قَطُّ (رواہ ابو یعلیٰ والبزار وفیہ الحسن بن ابی جعفر وھو ضعیف وقال ابن عدی لہ' احادیث صالحۃ، مجمع الزوائد ج۳ کتاب الصیام، حدیث نمبر ۵۲۱۴، مصنف ابنِ ابی شیبۃ جلد ۲ ،کتاب الصیام)

ترجمہ: ''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن کبھی روزہ نہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا'' (ترجمہ ختم)

(۴)......حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

خَمْسٌ مَنْ عَمِلَهُنَّ فِیْ یَوْمٍ کَتَبَهُ اللّٰہُ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ، مَنْ صَامَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَرَاحَ اِلَی الْجُمُعَۃِ وَعَادَ مَرِیْضاً وَشَھِدَ جَنَازَۃً وَاَعْتَقَ رَقَبَۃً (الجامع الصغیر للسیوطی جلد۳،حدیث نمبر ۳۹۶۲،بحوالہ ابویعلیٰ وابن حبان فی صحیحہ)

ترجمہ: ''پانچ عمل ایسے ہیں کہ جو شخص اُن کو ایک دن میں انجام دے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت والوں میں سے لکھ دیں گے؛ جس نے جمعہ کے دن روزہ رکھا، اور جمعہ کی نماز کے لیے (خوشی خوشی) گیا، اور مریض کی عیادت کی، اور جنازے میں شریک ہوا، اور غلام کو آزاد کیا'' (ترجمہ ختم)

ان سب روایات سے جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا جواز ثابت ہوا۔

ان احادیث کے پیشِ نظر بعض فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ عام حالات میں تنہاء جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنا بلا کراہت جائز بلکہ مستحب ہے، کیونکہ جمعہ کے دن اپنی ذات میں روزہ رکھنا منع نہیں، نیز جمعہ کا دن ہفتہ کے دوسرے دنوں کے مقابلہ میں عبادت کے اعتبار سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور اس دن نیکیوں کے ثواب میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور اس امت کے لئے جمعہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص ہے اور روزہ رکھنا بھی ایک عبادت ہے، لہٰذا اس دن روزہ رکھنا بھی عبادت میں داخل ہو کر جائز ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ بعض فقہاء کے نزدیک جمعہ کے دن کا روزہ بلا کراہت جائز ہے اگر چہ اس سے پہلے یا بعد کوئی روزہ نہ رکھا جائے (درس ترمذی ج۲ص۵۸۳،کذا فی البدائع الصنائع، ج۲ص۷۹، کتاب الصوم، فصل شرائط انواع الصیام)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکوٰۃ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

اَنَّ اِسْتِیْثَارَ الْجُمُعَۃِ بِفَضَائِلٍ کَثِیْرَۃٍ لَا یَقْتَضِیْ مَنْعَ الصَّوْمِ فِیْھَا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۴ص ۲۹۶)

ترجمہ: ''بے شک جمعہ کو بے شمار فضائل کی وجہ سے دوسرے دنوں پر ترجیح حاصل ہے، جس کا

تقاضہ یہ ہے کہ اس دن روزہ رکھنا منع نہیں ہے'' (ترجمہ ختم)

اس کے برعکس بعض روایات میں صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

(۱)......ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ اللَّيَالِي وَلَاتَخُصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِّنْ بَيْنَ الْاَيَّامِ اِلَّااَنْ يَكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهُ اَحَدُكُمْ (مسلم)

ترجمہ: ''تم جمعہ کی رات کو دوسری راتوں کے مقابلہ میں قیام کے ساتھ خاص نہ کرو اور نہ جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں کے مقابلہ میں روزے کے ساتھ خاص کرو، مگر یہ کہ جمعہ کا دن ایسی تاریخ میں واقع ہو کہ اس دن کوئی روزہ رکھا کرتا ہو (ترجمہ ختم)

(۲)......ایک روایت میں ہے کہ

نهى عن صوم ستة ايام من السنة ثلاثة ايام التشريق ويوم الفطر ويوم الاضحى ويوم الجمعة مختصة من الايام (جامع صغير ج ۲ رقم حديث ۹۴۸۳ بحواله ابو داؤد طيالسى عن انس تصحيح السيوطى حسن)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے سال میں چھ روزے رکھنے سے منع فرمایا: تین دن ایام تشریق کے یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے اور عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن، اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں کے مقابلہ میں خاص کر کے روزہ رکھنا'' (ترجمہ ختم)

(۳)......ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

لاتصوموا يوم الجمعة الاوقبله يوم اوبعده يوم (الجامع الصغير ج ۲ رقم حديث ۹۸۱۷ بحواله احمد عن ابى هريرة)

ترجمہ: ''تنہاء جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھو، مگر یہ کہ اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ رکھ لو'' (ترجمہ ختم)

(۴)......ایک روایت میں ہے:

لاتصوموا يوم الجمعة مفردا (الجامع الصغير ج ۲ رقم حديث ۹۸۱۶ بحواله مسنداحمد، نسائى، مستدرك حاكم عن جنادة الازدى)

ترجمہ: ''تم تنہا جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھو'' (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر بعض فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ تنہاء جمعہ کے دن کا نفلی روزہ رکھنا عام حالات میں مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ ہے، اور بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے دن کے ساتھ یا تو ایک روزہ پہلے یا

ایک روزہ بعد میں مزید ملالیا جائے، ہاں اگر جمعہ کے دن روزہ رکھنا خاص جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی اور وجہ سے ہو مثلاً عرفہ یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کے دن واقع ہے، یا مثلاً کسی شخص نے جمعہ ہی کے دن خاص کر کے روزہ کی منت مان رکھی ہے یا مثلاً کسی کی عادت ہر مہینہ میں مخصوص تاریخ میں روزہ رکھنے کی ہے اور یہ تاریخ اتفاق سے جمعہ کے دن واقع ہو رہی ہے یا اسی طرح کی کوئی اور وجہ ہے تو پھر ان صورتوں میں صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

جو حضرات تنہاء جمعہ کے دن عام حالات میں نفلی روزے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں، انہوں نے خاص جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت والی احادیث کے بارے میں مختلف جوابات دیئے ہیں۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ (تنہاء جمعہ کے دن روزہ کی ممانعت کا) یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے، اس وقت خطرہ یہ تھا کہ جمعہ کے دن کو کہیں اسی طرح عبادت کے لئے مخصوص نہ کرلیا جائے جس طرح یہود نے ہفتہ میں صرف یوم السبت (ہفتہ کے دن) کو عبادت کے لئے مخصوص کرلیا تھا اور باقی ایام میں چھٹی کرلی تھی۔لیکن بعد میں جب اسلامی عقائد واحکام راسخ ہوگئے تو یہ حکم ختم کر دیا گیا، اور جمعہ کے دن بھی روزہ رکھنے کی اجازت دیدی گئی (درس ترمذی بلفظہٖ ج۲ص۵۸۴)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ کسی عقیدہ یا عمل کی خرابی اس میں شامل ہو مثلاً کوئی شخص روزہ کے عمل کو بھی جمعہ کے مخصوص اعمال (جمعہ کی نماز، اس کی تیاری وغیرہ) کی طرح سمجھے اور جمعہ کے دن کی خاص عبادات کا حصہ سمجھے، یا وہ جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنے کا اس طرح اہتمام کرے کہ اس کے مقابلہ میں دوسرے دنوں میں روزہ نہ رکھا کرے اور صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا التزام کیا کرے، جس کی وجہ سے روزہ کے اعتبار سے دوسرے دنوں کے مقابلہ میں روزہ کی جمعہ کے دن کے ساتھ تخصیص لازم آتی ہو۔ یا کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو جمعہ کے دن کی مخصوص عبادات پر ترجیح دے کر اور ان کو نظر انداز کر کے صرف روزہ کا اہتمام کرے۔ یا اس کو جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے اتنی کمزوری اور ضعف واقع ہو جائے کہ جمعہ کے دیگر اعمال میں اس کی وجہ سے خلل واقع ہو۔ یا اس وجہ سے کہ لوگ تمام عبادتیں ایک ہی دن اکٹھی کر کے فارغ نہ ہو جائیں اور پھر پورے ہفتے ضرورت نہ سمجھیں یا ہمت نہ رہے اور دل بھر جائے وغیرہ۔

اور اگر مندرجہ بالا خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو تو پھر تنہاء جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنا عام

حالات میں بھی بلا کراہت جائز ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی کو جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں سہولت ہو اور اس کے عقیدہ اور عمل میں بھی کوئی فساد نہ ہو تو اس کو جمعہ کے دن روزہ رکھنا بلا کراہت جائز بلکہ مستحب ہے؛ تاہم اس کے باوجود بھی ہر قسم کے اختلاف سے بچنے اور احتیاط کے طور پر اس کے ساتھ آگے پیچھے کسی ایک دن کا اور روزہ بھی شامل کر لے تو بہت اچھا ہے، لیکن ضروری نہیں (ملاحظہ ہو: ''فتاویٰ خلیلیہ صفحہ ۱۵۵)

(قولهٗ ویوم الجمعة ولو منفرداً) صرح بهٖ فی النهر وکذا فی البحر فقال :ان صومهٗ بانفرادهٖ مستحب عند العامة کالاثنین والخمیس وکره الکل بعضهم اھ .و مثلهٗ فی المحیط معلّلاً بان لهذه الایام فضیلة ولم یکن فی صومها تشبهٌ بغیر اهل القبلة کما فی الاشباه...... وظاهر الاستشهاد بالأثر ان المراد بلا بأس الاستحباب الخ(ردالمحتار،کتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

وماورد من النهی عنه کما فی الحدیثین الآتیین محمول علیٰ من قید المطلق کما یدل علیه صریحاً قولهٗ علیه السلام ''لاتختصوا ''وقولهٗ علیه السلام ''الا ان یصوم قبلهٗ'' الخ .ونحن قائلون ایضاً بالمنع لمن خصهٗ کذالک وهو مذهبنا ومذهب الجمهور (اعلاء السنن جلد ۹ صفحه ۱۷۳ ،باب اباحة صوم یوم الجمعة منفرداً)

(وراجع للتفصیل ''المرقاة جلد۴صفحه ۲۹۵''و ''اوجز المسالک شرح مؤطاامام مالک ج ۳ ص ۹۷ ، ۹۸''و ''فتح الملهم ج ۳ ص ۱۵۵'' و ''معارف السنن ج ۵ ص ۴۲۳'')

فقط واللہ سبحانهٗ وتعالیٰ اعلم .محمد رضوان ۱۸ /رجب ۱۴۲۸ھ

دارالافتاء والاصلاح ادارہ غفران ،راولپنڈی

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۶۳ علماء کا ہاتھ سے تغییرِ منکر کرنا﴾

اور ایسی عظیم دینی خدمت ہے کہ وہ اگر عمر بھر اخلاص وصدق کے ساتھ اس خدمت میں مشغول رہیں تو ان کے لئے بہت بڑا صدقۂ جاریہ اور کارِ خیر ہے،اس خدمت میں مشغول ہونے کے باوجود انہیں دوسری پُر خطر اور اپنی اس عظیم خدمت کے لئے نقصان دہ کسی اور صورت کا اپنے آپ کو مکلّف سمجھنا محلِ تأمل ہے۔آج کل عوام اور بہت سے علماء کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کی تمام صورتوں اور جہاد وقتال یہاں تک کہ بہت سے دینی احکام پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داریوں کا علماء ہی کو مکلّف سمجھتے ہیں،اور ہر چیز میں علماء ہی کو قربان کرنا چاہتے ہیں، یہ تأثر انتہائی غلط ہے، تقسیمِ کار ایک مسلّمہ مسئلہ ہے۔ اہلِ علم حضرات کو اس قسم کی غلط فہمیوں سے آگاہ رہنا اور اپنی حقیقی ذمہ داریوں سے باخبر رہنا بہت ضروری ہے،جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنے اسلاف واکابرین کے اصولی ومجموعی حالات وواقعات سے واقفیت حاصل کی جائے اور ان کو نمونہ بنا کر اپنے لئے راہِ عمل متعین کی جائے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟ ترتیب: مفتی محمد یونس

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

سوالات وجوابات

محرم ۱۴۲۵ھ، بروز جمعہ کے سوالات اور حضرت مدیر کی طرف سے ان کے جوابات۔
ان مضامین کو ریکارڈ کرنے کی خدمت مولانا محمد ناصر صاحب نے، ٹیپ سے نقل کرنے کی خدمت مولانا ابرار ستی صاحب نے اور نظرِ ثانی، ترتیب وتخریج نیز عنوانات قائم کرنے کی خدمت مولانا مفتی محمد یونس صاحب نے انجام دی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں......ادارہ

پڑھائی میں دل لگانے کا وظیفہ

سوال: پڑھائی میں دل نہیں لگ رہا کوئی وظیفہ بتا دیں؟

جواب: قاعدہ ہے کہ اگر آپ کا کسی کام میں دل نہ لگ رہا ہو اور وہ کام کرنا ضروری بھی ہو تو دل بے شک نہ لگے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ایسی صورت میں آپ کام میں لگ جایئے، اور مزاحاً کہتا ہوں کہ دل کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیجئے، دیکھئے پھر دل کا نہ لگنا نقصان دہ ثابت نہیں ہوگا، بہر حال یہ تو میں نے مزاحاً کہا؛ ہمارے بزرگ حضرات فرماتے ہیں کہ جو کام کرنے کا ہے اس کام کے کرنے کے لئے دل لگنے کا انتظار نہ کریں، شریعت جس کام کا حکم دیتی ہے اس کام کو دل کے چاہے بغیر بھی کریں، آپ کا دل تو کیا اگر ساری دنیا نہ چاہ رہی ہو پھر بھی اس کام کو کریں، اور دل کی کیا مجال ہے وہ تو آپ کا غلام اور خادم ہے جب آپ کام کریں گے دل بھی ساتھ ساتھ آپ کے ساتھ لگ جائے گا، جب آپ مسجد میں جائیں گے تو دل بھی ساتھ ساتھ جائے گا، وہ یہ نہیں کہے گا کہ آپ جائیں میں گھر میں بیٹھا ہوں، اسی طرح جب آپ پڑھائی میں لگیں گے تو دل بھی ساتھ لگے گا، آپ جب چاہیں اس کا تجربہ اور مشاہدہ کرکے دیکھ لیں کہ جو کام کرنے کا ہو اور اس کام کے کرنے کو دل نہ کر رہا ہو اور اس کو کرنے سے طبیعت گھبرا رہی ہو تو آپ اس کام کو نفس کا مقابلہ کرکے کرنا شروع کردیں، پھر آپ دیکھیں گے کہ تھوڑی دیر بعد طبیعت معمول پر آجائے گی، بعض اوقات تلاوت میں دل نہیں لگتا، ذکر میں دل نہیں لگتا، نیک کاموں سے دل اُکتاتا ہے، اس کا حل وعلاج یہ ہے کہ نیکی کا کام کرے چھوڑے نہیں، نیکی جب کرے گا تو دل خود بخود لگ جائے گا، شیطان دل پر ہی حملہ کرتا ہے، یہ انسان کے اعضاء پر حملہ نہیں کرسکتا، یہ انسان کے اعضاء کو نہیں روک

سکتا۔مثلاً یہ انسان کی آنکھوں کو اچھی چیز کے دیکھنے سے نہیں روک سکتا،انسان کی زبان کو اچھے اذکار وغیرہ سے نہیں روک سکتا،لیکن وہ دل پر حملہ آور ہوتا ہے، دل کو واسطہ بناتا ہے، اندر ہی اندر اس کام سے ہٹانے کا تقاضا پیدا کرتا ہے،گھبراہٹ پیدا کرتا ہے،اس کا حل یہی ہے کہ اس کام کو کریں،تو اگر پڑھنے میں دل نہیں لگتا تو اس کا وظیفہ اصل میں تو پڑھنا ہے،نماز میں دل نہیں لگتا تو اس کا وظیفہ نماز پڑھنا ہے، ذکر میں دل نہیں لگتا تو اس کا وظیفہ ذکر کرنا ہے، یہ وظیفہ کر کے دیکھیں کیسے کام بنتا ہے؟ مگر اس کام کی چیز کو تو کوئی نہیں کرتا، کتابیں الماری میں رکھی رہیں گی مطالعہ کرے گا نہیں بیٹھا رہے گا اور چاہے گا کہ بس کوئی وظیفہ مل جائے، میرے بھائیو! کوئی ایسا وظیفہ نہیں دیا جا سکتا کہ کتابیں خود بخود چل کر آجائیں اور مطالعہ شروع ہو جائے آنکھیں بھی چل رہی ہوں اور زبان بھی ادھر ہی ہو ایسا کوئی وظیفہ اگر مل جائے تو میدان خالی ہے جا کر لے آیئے ہم کوئی منع تھوڑا ہی کر رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ شیطان برائی کا تقاضا کر رہا ہو،تو ایسے وقت چاہئے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے،یا استغفار پڑھے،بعض بزرگوں اور عاملوں نے اور بھی کچھ اذکار واَوراد بیان فرمائے ہیں لیکن ان سب کے باوجود کام پھر بھی کرنا پڑے گا یہ نہیں کہ استغفار یا اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد کام خودکار (Automatically) طریقے پر ہو جائے گا، آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کام کے لیے بڑے وظیفے پوچھے مگر آج تک کامیابی نہیں ملی، اتنے وظیفے پوچھنے کے بعد نماز نہیں پڑھنی شروع کی ،استغفار بھی پڑھتا ہوں درود شریف بھی پڑھتا ہوں، ذکر بھی کرتا ہوں لیکن نماز کو دل ہی نہیں چاہتا،ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ وظیفوں اور ذکر کے بغیر نماز پڑھ رہے ہیں،آپ وظیفے پڑھ پڑھ کر بھی نماز نہیں پڑھ رہے تو کیا خرابی ہے،خرابی یہ ہے کہ جو کام کرنے کا ہے،اس کو کر نہیں رہے بلکہ اس سے دو ہاتھ آگے اب تو عام لوگوں کی حالت یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ کوئی پڑھنے کی چیز نہیں بلکہ کوئی باندھنے کی چیز دے دیں،اگر ہم کوئی وظیفہ بتائیں کہ نماز پڑھا کرو ،ذکر کیا کرو تلاوت کیا کرو،تو جواب میں کہیں گے کہ یہ تو میں کر ہی لوں گا،لیکن کوئی باندھنے کی چیز دے دیتے ، برکت کے طور پر ہی سہی ،غرض یہ کہ بہانے وغیرہ کر کے وہیں پر لانے کی کوشش کریں گے۔اور اگر باندھنے کے لیے کچھ تعویذ وغیرہ دے بھی دیا جائے اور پڑھنے کے لیے بھی کچھ بتلا دیا جائے تو پھر سوچیں گے کہ چلو اب تو باندھنے کے لیے مل ہی گیا اب پڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟ اور اب آگے چل کر لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگیں کہ تعویذ بھی ہماری طرف سے آپ ہی گلے میں ڈال لیں ہمیں گلے میں ڈالنے سے ذرا اُلجھن سی ہوتی ہے۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم .کاہلی اور آرام طلبی کی کوئی انتہاء بھی ہے۔

عبرت کدہ　﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاِبْصَارِ﴾　مولوی طارق محمود

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۱۲)

حدیث شریف کا صحیح مطلب

بہرحال اس حدیث شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ بولنے کی صراحتاً نسبت کی گئی ہے، جوشانِ نبوت وعقیدہ عصمت (انبیاء کے گناہوں سے معصوم ہونے کے عقیدہ) کے بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہے، مگر اس کا جواب خود اسی حدیث میں موجود ہے وہ یہ کہ دراصل ان میں سے ایک بھی حقیقی معنیٰ میں جھوٹ نہ تھا، یہ توریہ تھا جو ظلم سے بچنے کے لئے جائز وحلال ہوتا ہے، اور توریہ جھوٹ کے حکم میں نہیں ہوتا، اس کی دلیل خود حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہا تھا کہ میں نے تمہیں اپنی بہن بتلایا ہے تم سے پوچھا جائے تو تم بھی مجھے بھائی بتلانا، اور بہن کہنے کی وجہ بھی ان کو بتلا دی کہ ہم دونوں دینی واسلامی رشتے کے اعتبار سے بہن بھائی ہیں، اسی کا نام توریہ ہے کہ الفاظ ایسے بولے جائیں جن کے دو مفہوم ہوسکیں، سننے والا اس سے ایک مفہوم سمجھے اور بولنے والے کی نیت دوسرے مفہوم کی ہو، اور ظلم سے بچنے کے لئے یہ تدبیر تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ [۱]

یہ وجہ تو خود حدیث کے الفاظ میں صراحتاً مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ درحقیقت جھوٹ نہ تھا، بلکہ توریہ تھا، ٹھیک اسی طرح کی توجیہ پہلے دونوں کلاموں میں بھی کی جاتی ہے۔

''بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ'' کا مطلب

اکثر مفسرین کے نزدیک اس قول کی بے غبار توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا ''اسنادِ مجازی'' ہے، یعنی جو کام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا، اس کو بڑے بت کی طرف

۱؎ روافض میں جو تقیہ کے نام سے جھوٹ بولا جاتا اور اس کو ثواب سمجھا جاتا ہے، یہ توریہ اس سے بالکل مختلف چیز ہے، تقیہ میں صریح جھوٹ بولا جاتا ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، اور توریہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا، بلکہ جو معنیٰ متکلم کی مراد ہوتا ہے وہ بالکل سچ اور صحیح ہوتا ہے۔

بطورِ اسنادِ مجازی کے منسوب کردیا، کیونکہ اس کام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آمادہ کرنے والا یہی بت تھا، اور اس بت کی تخصیص شاید اس وجہ سے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برادری اُس بت کی سب سے زیادہ تعظیم کرتی تھی، اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی چور کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹ دے اور پھر کہے کہ یہ میں نے نہیں کاٹا بلکہ تیرے عمل اور تیری سرکشی نے تیرا ہاتھ کاٹا ہے، کیونکہ ہاتھ کٹنے کا سبب اس کا عمل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی عملی طور پر بتوں کے توڑنے کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا تھا جیسا کہ روایات میں ہے کہ جس کلہاڑے سے ان کے بت توڑے تھے یہ کلہاڑا بڑے بت کے مونڈھے پر یا اس کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا کہ دیکھنے والے کو یہ خیال پیدا ہو کہ اس نے ہی یہ کام کیا ہے اور زبان سے بھی اس توڑنے کو اس بت کی طرف منسوب کیا، جیسے عربی کا ایک مقولہ مشہور ہے:

''انبت الربيع البقلة''، یعنی ''موسمِ ربیع کی بارش نے کھیتی اگائی''

اگر چہ اگانے والے درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں مگر اس کے ایک ظاہری سبب کی طرف اس کو منسوب کردیا گیا، اور اس کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بت کی طرف اس کام کو قولاً اور فعلاً منسوب کردینا ہرگز جھوٹ نہیں، البتہ بہت سے مصالحِ دینیہ کے لئے یہ توریہ اختیار فرمایا۔

اس میں ایک مصلحت تو یہی تھی کہ دیکھنے والوں کی اس طرف توجہ ہو جائے کہ شاید اس بڑے بت کو اس پر غصہ آ گیا ہو کہ میرے ساتھ عبادت میں ان چھوٹے بتوں کو کیوں شریک کیا جاتا ہے؟ اگر یہ خیال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے دلوں میں پیدا ہو جاتا تو اس کے ذریعے سے توحید اور حق کا راستہ کھل جاتا ہے کہ جب ایک بڑا بت اپنے ساتھ ان چھوٹے بتوں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تو رب العالمین ان پتھروں کی شرکت اپنے ساتھ کیسے گوارا کرے؟

دوسرے یہ کہ ان کو یہ بات کہنے سے یہ خیال ضرور پیدا ہوسکتا ہے کہ جن کو ہم خدا اور مختارِ کل کہتے ہیں اگر یہ ایسے ہی ہوتے تو کوئی ان کو توڑنے پر کیسے قادر ہوتا؟

تیسرے یہ کہ اگر اس فعل کو وہ بڑے بت کی طرف منسوب کردیں تو جو بت یہ کام کرسکے کہ دوسرے بتوں کو توڑ دے اس میں گویائی کی طاقت بھی ہونی چاہئے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ''، یعنی ''سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں''

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو بلا تاویل اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فعل کو بڑے بت کی طرف منسوب فرمایا اور یہ اسنادِ مجازی کے طور پر تھا تو اس میں کوئی جھوٹ اور خلافِ واقعہ ہونے کا شبہ نہیں رہتا، بلکہ یہ صرف ایک قسم کا توریہ ہے۔ [1]

''اِنِّی سَقِیْمٌ'' کا مطلب

اکثر مفسرین حضرات نے یہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے توریہ ہی مراد لیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ جملہ ''اِنِّی سَقِیْمٌ'' فرمایا اس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ ''میں بیمار ہوں''، لیکن آپ کی اصل مراد یہ نہیں تھی، اب آپ کی اصل مراد کیا تھی، اس بارے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے آپ کا مقصد وہ طبعی انقباض تھا جو آپ کو اپنی قوم کی مشرکانہ حرکات دیکھ دیکھ کر پیدا ہو رہا تھا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں ''سَقِیْمٌ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو ''مریض'' کے مقابلہ میں بہت ہلکا ہے، اور اس کا مفہوم اردو زبان میں اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ ''میری طبیعت ناساز ہے'' اور ظاہر ہے کہ اس جملہ میں طبعی انقباض کے مفہوم کی بھی پوری طرح گنجائش پائی جاتی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اِنِّی سَقِیْمٌ'' سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا ''میں بیمار ہونے والا ہوں'' اس لئے کہ عربی زبان میں اسمِ فاعل کا صیغہ بکثرت مستقبل کے زمانے کے لئے استعمال ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''اِنِّـــی سَـقِیْـــمٌ'' کے یہ معنیٰ مراد لئے تھے کہ ''میں بیمار ہونے والا ہوں'' یہ اس لئے فرمایا کہ موت سے پہلے پہلے ہر انسان کا بیمار ہونا یقینی بات ہے، اگر کسی کو ظاہری بیماری نہ ہو تب بھی موت سے ذرا پہلے انسان کے مزاج میں خلل ضرور واقع ہوتا ہے۔

اور اگر کسی کا دل ان تاویلات پر مطمئن نہ ہو تو سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت واقعتاً اس دن تھوڑی بہت ناساز تھی، لیکن بیماری ایسی نہ تھی جو ان کو عید کے میلے میں جانے سے

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بطورِ فرض کے تھا یعنی تم یہ کیوں نہیں فرض کر لیتے کہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہوگا اور بطورِ فرض کے کوئی خلافِ واقعہ بات کہنا جھوٹ میں داخل نہیں، جیسے خود قرآن میں ہے: ''اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی لڑکا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں داخل ہوتا۔

روکتی، آپ نے اپنی معمولی طبیعت کی خرابی کو ایسے ماحول میں ذکر کیا جس سے سننے والے یہ سمجھیں کہ آپ کو کوئی بڑی بیماری لاحق ہے، جس کی وجہ سے آپ واقعی ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ کی یہ تشریح سب سے زیادہ قابلِ بخش ہے۔ [1]

حدیثِ کذبات کو غلط قرار دینا جہالت ہے

مرزا قادیانی اور کچھ دوسرے مستشرقین سے مغلوب مسلمانوں نے اس حدیث کو سند کے لحاظ سے صحیح ہونے کے باوجود اس لئے غلط اور باطل قرار دیا ہے کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا کہنے سے بہتر یہ ہے کہ سند کے سارے راویوں کو جھوٹا کہہ دیا جائے، کیونکہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔

اور پھر اس سے ایک قاعدہ کلیہ بھی انہوں نے نکال لیا کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو خواہ وہ کتنی ہی قوی، صحیح اور سند کے لحاظ سے مضبوط وہ غلط ہو، قرار دی جائے۔

یہ بات تو اپنی جگہ بالکل صحیح اور ساری امت کے نزدیک مسلم شدہ ہے کہ جو چیز قرآن کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

---

[1] **توریہ کا شرعی حکم**

توریہ ایک تو قولی ہوتا ہے، یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلافِ واقعہ ہو اور باطنی مراد واقعہ کے مطابق ہو، اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو، اسے ایہام کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا ایہام تھا اور ''اِنِّی سَقِیْمٌ'' کہنا توریہ تھا۔

ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود حضور ﷺ سے بھی ثابت ہیں، جس وقت آپ ہجرت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور مشرکینِ مکہ آپ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے، تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''ھو ھادی یھدینی'' (وہ میری رہنما ہیں مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والے رہنما مراد ہیں، اس لئے چھوڑ کر چل دیا، حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ دینی اور روحانی رہنما ہیں۔

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو جہاد کے لئے جس سمت میں جانا ہوتا تو مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت اس سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے، تاکہ منافقین یا دشمن کے جاسوس اگر موجود ہوں تو وہ دشمن کو پیشگی خبردار کر کے سنبھلنے اور تیار ہونے کا موقعہ نہ دیں (مسلم) یہ عملی توریہ اور ایہام تھا۔

مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی حضور ﷺ سے توریہ ثابت ہے، شمائلِ ترمذی میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا کہ ''کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی'' وہ عورت یہ سن کر بہت پریشان ہوئی تو آپ نے تشریح فرمائی کہ بوڑھیوں کے جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائیں گی ہاں جوان ہو کر جائیں گی۔

مگر علمائے امت اور محدثینِ کرام جنہوں نے تمام ذخیرۂ احادیث میں اپنی عمریں صرف کر کے ایک ایک حدیث کو چھان لیا ہے، جس حدیث کا قوی اور سند کے لحاظ سے صحیح ہونا ثابت ہوگیا ان میں سے ایک بھی حدیث ایسی نہیں ہوسکتی جس کو قرآن کے خلاف کہا جاسکے، بلکہ یہ اپنی کم فہمی یا کج فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جس حدیث کو رد اور باطل کرنا چاہا اس کو قرآن سے ٹکرا دیا اور یہ کہہ کر فارغ ہوگئے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے، جیسا کہ اسی حدیث شریف میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جھوٹ کے الفاظ سے توریہ مراد لینا خود حدیث کے اندر موجود ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ حدیث شریف میں توریہ کو جھوٹ کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا گیا، تو اس کی وجہ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے ہوتے ہیں، ان کی چھوٹی سی کمزوری اور محض رخصت اور جائز پر عمل کر لینا اور عزیمت کو چھوڑ دینا بھی قابلِ مواخذہ سمجھا جاتا ہے، اور ایسی چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر عتاب ہونے کا قرآن مجید میں بکثرت ذکر ہے۔

اسی کوتاہی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حدیث شریف میں ان کو جھوٹ کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا، جس کا حضور ﷺ کو حق تھا، مگر اپنی طرف سے کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یوں کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا تھا، یہ جائز نہیں جیسا کہ مفسرین حضرات فرماتے ہیں:

> ''قرآن یا حدیث میں اس طرح کے جو الفاظ کسی پیغمبر کے بارے میں آئے ہیں ان کا ذکر بطورِ تلاوتِ قرآن، یا تعلیمِ قرآن، یا روایتِ حدیث کے تو کیا جاسکتا ہے، خود اپنی طرف سے ان الفاظ کا کسی پیغمبر کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے، جو کسی کے لئے جائز نہیں''

(وھذ التفصیل کلہ مستفاد من''معارف القرآن ج۶ ،ج۷،للشیخ المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ،و''قصص القرآن'' ج ا ،لمولانا حفظ الرحمن السیوھاروی رحمہ اللہ)

طب وصحت حکیم محمد فیضان

طبی معلومات ومشوروں کا مستقل سلسلہ

ناشپاتی (PEARS)

ناشپاتی ایک مشہور میٹھا اور چاشنی دار پھل ہے۔ یہ پھل ہمارے یہاں شوق سے کھایا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ناشپاتی کی ابتدائی پیدائش بھی وسطی ایشیاء کے علاقے سے ہوئی ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشپاتی کی کاشت تقریباً تین ہزار سال پہلے مغربی ایشیاء میں شروع ہوئی۔ قدیم مورخین نے اس کو بھی دیوتاؤں کا تحفہ کہا ہے۔ پرانے بادشاہوں کے دربار میں بھی اس کو بطور تحفہ پیش کیا جاتا تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ فرانس سے یہ پھل 1620ء میں امریکہ پہنچا جہاں اس کی کیلی فورنیا اور میکسیکو میں باقاعدہ کاشت شروع ہوئی، اٹھارہویں صدی کے بعد ناشپاتی پر تجربات کئے گئے اور اس کی کاشتکاری پر زیادہ توجہ دی گئی جس کی وجہ سے اس کے رس، ذائقے اور نرم ہونے میں نمایاں اضافہ ہوا۔

اس وقت دنیا میں ناشپاتی سب سے زیادہ چین، اٹلی اور امریکہ میں پیدا ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت ناشپاتی کی ایک ہزار سے زیادہ اقسام موجود ہیں۔ ان اقسام میں ANJOU.BARTLETT.BOSC COMICE وغیرہ شامل ہیں۔ جنگلی ناشپاتی کو ناکھ کہتے ہیں۔ مری اور کشمیر کی ناشپاتی کو بگو گوشہ کہتے ہیں جو کہ بہت نرم اور مٹھاس سے پر ہوتی ہیں۔

اور کھٹی ناشپاتی کو ''بہی'' کہتے ہیں۔ ان تمام اقسام میں ذائقہ، رنگ، شکل اور رس کے علاوہ دوسرے غذائی اجزاء میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں چینی، یونانی اور رومنز میں ناشپاتی کو سیب سے بھی بہتر سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں یہ پھل جولائی اور اگست کے مہینے میں ملتا ہے جب کہ یورپ میں سارا سال ناشپاتی بازاروں میں پائی جاتی ہے۔

نام: عربی زبان میں ناشپاتی کو ''کمشری''فارسی میں ''امرود'' اور پنجابی زبان میں ''ناکھاں'' سندھی زبان میں ''ناکھ'' انگریزی میں ''پیٹرس'' کہتے ہیں، جب کہ نباتاتی زبان میں اس کو PYRUS COMMUNIS کہتے ہیں۔

Idara Ghufran

مزاج: قدیم اطباء نے ناشپاتی کے مزاج کو سرد و تر لکھا ہے، بعض کے مطابق تر گرم ہے۔

افعال وخواص: ناشپاتی بہت اچھی مفرح و فرحت بخش ہے۔

اختلاج قلب (دل ڈوبنا) والے مریض جن کو گرمی کی وجہ سے ہو......ناشپاتی ایک بہترین دوا اور غذا ہے۔۔ یہ دل کو طاقت دیتی ہے۔

امراض ورم جگر، صلابت جگر جگر کے سدوں اور سوزش میں اس کا استعمال مفید ہے۔ اسی لئے یرقان کے مریضوں کو بہت فائدہ دیتی ہے۔ جگر کی گرمی اور پتہ کی پتھری میں مفید ہے۔ بخار کو کم کرتی ہے۔ بدن کو موٹا کرتی ہے، ناشپاتی کے زیادہ استعمال سے جسم فربہ ہوتا ہے، بدن میں طاقت پیدا ہوتی ہے...... مسکن صفراء وخون ہے۔ اس لئے صفراء سے پیدا ہونے والے امراض میں نفع دیتی ہے......خون کی شریانوں کی سختی کو ناشپاتی کے استعمال سے نرمی میں بدلا جا سکتا ہے...... بلڈ پریشر کو کم کرتی ہے، اس لئے بلڈ پریشر کے مریض اس کو استعمال کر کے بلڈ پریشر کنٹرول کر سکتے ہیں...... بواسیر خونی ہو یا بادی ناشپاتی مفید ثابت ہوتی ہے......اس میں وٹامن سی اور پروٹین کے اجزا موجود ہوتے ہیں۔

ناشپاتی کا جوس بھی شوق سے پیا جاتا ہے۔ یہ مزاج کا چڑ چڑا پن دور کرتا ہے طبیعت میں شگفتگی لاتا ہے۔ ناشپاتی کا بنا ہوا سرکہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سیب کی طرح ناشپاتی سے جام، جیلی اور مربہ بھی بنائے جاتے ہیں۔ ناشپاتی کو اگر مرچ نمک ترشی ملا کر استعمال کی جائے تو جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔

100 گرام ناشپاتی میں پائے جانے والے اجزا مندرجہ ذیل ہیں۔

نمی	83 گرام	کاربوہائیڈریٹس	15 گرام
پروٹین	0.70 گرام	کیلوریز	(Kcal)61
فائبر (ریشہ)	1.40 گرام	فیٹ (چکنائی)	0.40 گرام
پوٹاشیم	1.30 ملی گرام	کاپر	0.12 ملی گرام
میگنیشیم	9 ملی گرام	فاسفورس	11 ملی گرام
کیلشیم	8 ملی گرام	وٹامن سی	4 ملی گرام
وٹامن B1	0.02 ملی گرام	وٹامن B2	0.04 ملی گرام
وٹامن B6	0.02 ملی گرام	وٹامن E	0.1 ملی گرام

اخبار ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

□...... جمعہ ۲۰/ ۲۷/ جمادی الاخریٰ و۴/ ۱۱/ ۱۸/ رجب کو تینوں مسجدوں میں حسبِ معمول جمعہ سے پہلے وعظ اور جمعہ کے بعد دینی مسائل پر مشتمل سوال وجواب کی نشستیں منعقد ہوتی رہیں۔

جمعہ ۲۷/ جمادی الاخریٰ حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم نے مسجد امیر معاویہ میں اپنے متوسلین میں سے ایک صاحب کا مسنون نکاح پڑھایا۔

□...... جمعہ ۲۰/ جمادی الاخریٰ و۴/ ۱۸/ رجب کو بعد مغرب پندرہ روزہ فقہی مجلسیں منعقد ہوئیں۔ جمعہ ۴/ رجب حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم حضرت اقدس مولانا حافظ ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں اسلام آباد حضرت اقدس نواب صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں تشریف لے گئے، حضرت ڈاکٹر صاحب کا ہفتہ بھر راولپنڈی میں قیام رہا اور تقریباً روزانہ ادارہ میں کچھ دیر کے لئے تشریف لاتے رہے، آپ کی تصنیفِ لطیف ''تکوین وتشریع مع سوانحِ تنویر'' جس کی ترتیب واشاعت کا کام حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم فرمارہے ہیں، ان دنوں اشاعت کے مرحلے سے گذر رہی ہے، چند دنوں میں ان شاء اللہ تعالیٰ منظرِ عام پر آجائے گی

□......اتوار ۸/ ۱۵/ جمادی الاخریٰ و۶/ ۱۳/ رجب کو حسبِ معمول بعد ظہر طلبہ کرام کی ہفتہ وار بزمِ ادب اور بعد عصر حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی ہفتہ وار اصلاحی مجالس ملفوظات منعقد ہوتی رہیں۔

□......اتوار ۲۲/ جمادی الاخریٰ حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کے دیرینہ شناسا وتعلق دار جناب بابا منظور الٰہی بلوچ صاحب قضائے الٰہی سے رحلت فرماگئے، آپ ضعیف العمر تھے اور گذشتہ ایک عرصہ سے ادارہ میں مقیم تھے، ایک ہفتہ پہلے بیمار ہوئے، ہسپتال میں داخل کئے گئے، حالت نازک سے نازک تر ہوتی گئی، خصوصی نگہداشت کے شعبہ (ICU) میں رکھے گئے، اتوار کو دن گیارہ بجے انتقال فرمایا، قبل العصر نمازِ جنازہ ہوئی، گلاس فیکٹری راولپنڈی کے قبرستان میں تدفین ہوئی، قارئینِ کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

□......اتوار ۲۹/ جمادی الاخریٰ کو دارالافتاء ادارہ غفران میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے چاند کے متعلق فیصلوں کی شرعی حیثیت پر غور کے لئے ایک خصوصی فقہی اجلاس کا انعقاد ہوا، جو دن ۱۲ بجے سے عصر تک جاری رہا، اجلاس میں حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم اور راولپنڈی اسلام آباد کے دیگر مفتیانِ کرام کے علاوہ مولانا محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد) مولانا محمد الیاس کوہاٹی صاحب، انجینئر شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم (رکن مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی) اور انجینئر (ر) بشیر احمد بگوی صاحب دامت برکاتہم نے شرکت فرمائی، اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا

﴿بقیہ صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ ہو﴾

اخبارِ عالم

ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم و مفید حالات و واقعات، حادثات و تغیرات

5 جولائی 2007ء (19 جمادی الاخریٰ 1428ھ): پاکستان: لال مسجد، کرفیو برقرار، فائرنگ سے مزید 9 جاں بحق، مولانا عبدالعزیز گرفتار، ہتھیار ڈالنے کی حکومتی وارننگ پر 1200 طلباء نے گرفتاری دے دی۔ پاکستان: بنوں میں فوجی قافلے پر خودکش حملہ 8 جاں بحق 13 زخمی۔ سوات پولیس لائن کے قریب ریموٹ کنٹرول بم دھماکہ 4 جاں بحق۔ **6 جولائی**: پاکستان: لال مسجد آپریشن میں تیزی آ گئی، بارود پھٹتا رہا لاشیں گرتی رہیں، کرفیو برقرار، 60 طلباء و طالبات کی لاشیں اندر موجود ہیں، عبدالرشید غازی۔ پشاور نامعلوم افراد کی فائرنگ سے 4 پولیس اہلکار جاں بحق 2 زخمی۔ **7 جولائی**: پاکستان: لال مسجد آپریشن چوتھے روز بھی جاری رات کے آخری پہر زوردار دھماکے تازہ دم دستے آ گئے، غازی آخری معرکے کے لئے تیار، اندر لاشوں کی تعداد 80 ہو گئی 1800 اب بھی موجود ہیں۔ مالاکنڈ سوات فوجی کانوائے پولیس اور ایف سی پر ریموٹ کنٹرول بم دھماکے 4 جاں بحق۔ **8 جولائی**: پاکستان: جامعہ حفصہ کے اطراف میں شدید فائرنگ، دھماکے 30 طالبات کی اجتماعی تدفین، غازی کا آپریشن روک کر عدالتی تحقیقات کا مطالبہ۔ **9 جولائی**: پاکستان: آپریشن کا چھٹا روز 335 طلباء و طالبات جاں بحق ہوئے انتظامیہ لال مسجد، حکومت نے دعوے کی تردید کر دی۔ پشاور نامعلوم ملزمان نے اندھا دھند فائرنگ کر کے 3 چینی باشندے ہلاک کر دیئے۔ **10 جولائی**: پاکستان: لال مسجد آپریشن پر سپریم کورٹ کا سوموٹو ایکشن، کس قانون کے تحت فورسز کو طلب کیا گیا، علماء کے آٹھ رکنی وفد کی غازی سے ملاقات کرائی جائے عدالتِ عظمیٰ۔ پاکستان: صبح 4 بجے مذاکرات ناکام، آپریشن پھر شروع، زوردار دھماکے خوفناک فائرنگ۔ **11 جولائی**: پاکستان: بارود کی بارش لاشوں کے ڈھیر، لال مسجد آپریشن مکمل، غازی آخری معرکے میں 70 ساتھیوں سمیت جاں بحق، میجر، کیپٹن سمیت فورسز کے 8 اہلکار جاں بحق، 29 زخمی ہوئے ترجمان پاک فوج۔ **12 جولائی**: پاکستان: نمازہ جنازہ صبح آٹھ بجے میت بستی عبداللہ پہنچ گئی، لحد غازی کی منتظر۔ پاکستان: رات 2 بجے کے بعد اسلام آباد میں 73 میتوں کی اجتماعی نمازِ جنازہ۔ **13 جولائی**: پاکستان: غازی ہزاروں اشک بار آنکھوں کے سامنے سپردِ خاک، رقت آمیز مناظر۔ سوات خودکش بم دھماکہ راکٹ حملے 3 پولیس اہلکاروں سمیت 8 جاں بحق۔ وفاقی حکومت کا حج پالیسی کا اعلان، کرایوں میں 10 فیصد اضافہ کر دیا گیا۔ **14 جولائی**: پاکستان: سانحہ لال مسجد کے خلاف ملک بھر میں احتجاج، جامعہ حفصہ کو منہدم نہیں ہونے دیں گے علماء کا اعلان۔ **15 جولائی**: پاکستان: شمالی وزیرستان سیکورٹی فورسز کے قافلے پر خودکش حملہ 24 اہلکار جاں بحق 28 سے زائد زخمی۔ **16 جولائی**: پاکستان: ڈیرہ سوات خودکش حملے

Iqra Ghufran

25فوجی و پولیس اہلکار جاں بحق 107 زخمی ✍ **17 جولائی:** پاکستان: چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس حکومت نے عدالتی بے ضابطگی کے الزامات واپس لے لئے ✍ **18 جولائی:** پاکستان: چیف جسٹس کی جلسہ گاہ کے قریب، اسلام آباد کچہری میں خودکش دھماکہ 16 جاں بحق 40 زخمی ۔ میران شاہ میں خودکش حملہ، 2 سیکورٹی اہلکار جاں بحق، 4 زخمی ✍ **19 جولائی:** پاکستان: میران شاہ فوجی قافلے پر گھات حملہ، 17 اہلکار جاں بحق ✍ **20 جولائی:** پاکستان: حب، کوہاٹ، ہنگو خودکش بم دھماکے فوجی و پولیس اہلکاروں سمیت 55 جاں بحق ✍ **21 جولائی:** پاکستان: صدارتی ریفرنس کالعدم چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری بحال، عدالت عظمیٰ کے فل کورٹ کا تاریخی فیصلہ ۔ شمالی وزیرستان، چیک پوسٹ پر خودکش حملہ، 2 جوانوں سمیت 6 جاں بحق ۔ دیر بالا میں آسمانی بجلی گرنے سے 70 افراد جاں بحق متعدد زخمی ۔ ✍ **22 جولائی:** امریکہ: لال مسجد سمیت عسکریت پسندوں کے خلاف پاکستان کی کارروائیاں امریکی مہم کا حصہ ہیں، صدر بش ۔ بھارت: 72 سالہ پرتیبھا پاٹل پہلی بھارتی خاتون صدر منتخب، کامیابی کا اعلان کر دیا گیا ۔ ✍ **23 جولائی:** پاکستان: 23 کورین شہریوں کا اغواء افغان سیکورٹی فورسز نے طالبان کا محاصرہ کر لیا، آپریشن میں تاخیر ✍ **24 جولائی:** پاکستان: پاکستان میں امریکی کارروائی خطرناک اقدام ہوگا ۔ جامعہ حفصہ گرانے کیلئے آپریشن شروع، خطیب نائب خطیب کی رہائشگاہیں مسمار ✍ **25 جولائی:** امریکہ: پاکستان خودمختار ہے لیکن ہم اہداف کو نشانہ بنا سکتے ہیں، ترجمان وائٹ ہاوس ۔ پاکستان: مولانا حافظ محمد اشفاق مدنی لال مسجد میں آئندہ جمعہ پڑھائیں گے ✍ **26 جولائی:** پاکستان: حکومتی مفاد کا آرڈیننس ہو تو 1 دن میں منظور، عوامی ایشوز پر سالہا سال پیش رفت نہیں ۔ ✍ **27 جولائی:** پاکستان: پاکستان کا 700 کلومیٹر تک مار کرنے والے کروز میزائل حتف VII کا کامیاب تجربہ ۔ جنوبی وزیرستان سروگئی میں فوجی چوکی پر راکٹ حملہ ایک سیکورٹی اہلکار جاں بحق ۔ انسانی اعضاء کی خرید و فروخت پر پابندی، آرڈیننس جاری کرنے کے لئے سپریم کورٹ کی حکومت کو 4 چار ہفتوں کی مہلت ۔ اعجاز الحق کو لال مسجد میں نماز عصر کی امامت سے روک دیا گیا ✍ **28 جولائی:** پاکستان: اسلام آباد خودکش بم دھماکے میں 7 پولیس اہلکاروں سمیت 15 جاں بحق ۔ لال مسجد کے نمازیوں نے سرکاری خطیب کو جمعہ پڑھانے سے روک دیا، مولانا عبدالعزیز کی بحالی کے لئے قرارداد منظور ۔ لال مسجد کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا ۔ ✍ **29 جولائی:** پاکستان: امریکی کانگرس میں پاکستانی امداد مشروط کرنے کا بل منظور ✍ **30 جولائی:** پاکستان: میرانشاہ باجوڑ فورسز چیک پوسٹوں پر حملے، کوہاٹ میں پولیس اہلکار قتل، شمالی وزیرستان میں خفیہ ادارے کا افسر اغواء ✍ **31 جولائی:** پاکستان: عدالتِ عظمیٰ صدر کے 2 عہدوں کے خلاف درخواست کی سماعت کا حکم ۔ مولانا عبدالعزیز کے رشتہ داروں مفتی انعام اللہ اور عطاء محمد سمیت 16 نعشوں کی شناخت

Partnership On a Fixed Profit

Q: Q.I have a considerable amount of mony saved by me from my monthly amount .I want to invest in lawful business, which can give me some profit. One of my friends has offered me to enter into partnership with him, I shall give him the money and he will invest in his business which is already established and run by him.He has agreed to pay me a sum of two thousand rupees monthly as my share in the profit . Is it permissible for me to enter into partnership on these terms?

Ans: No.A pre-determined amount of money cannot be fixed as a profit in a partnership .If you want to enter into partnership with your friend, you will have to share his risks also. In case he faces a loss, you will have to bear it in proportion to your investment. And if the joint venture brings a profit, the same many be shared on the agreed ratio.

Thus the amount of profit can only be known after the profit. accures actually, and it cannot be fixed beforehand .However a provisional profit may be distributed before the actual accounting takes place. On this basis the monthly payment of a particular amount may be agreed but it must always be subject to the final settlement will take place on the basis of the actual gain of loss, all the provisional payments made earlier must be taken into amount and must be adjusted according to the actual profit or loss. Without this necessary condition the said agreement of partnership will not be a valid agreement according to Share (selected by contemporary fatawa Page 244,245)